

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَاَقْصِصْ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (۱۲۶)
انہیں انکی داستان سناؤ تاکہ یہ سوچیں کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا،

اے دوست سنائے جا

بھولے ہوئے افسانے !

یوم پاکستان کی تقریب — منعقدہ ۲۳ مارچ ۱۹۷۹ء

پر — پرویز صاحب کا خطاب — جس سے

فراہموش کردہ حقیقتیں سامنے آگئیں

بھولے ہوئے افسانے

قوموں کی زندگی میں بعض ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جو تاریخ کے دھارے سے کارخ بدلتے دیتے ہیں۔ ہم آج اسی قسم کے ایک عظیم واقعہ کی یاد منانے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل تو طویل ہے لیکن اسے اگر سٹاکر بیان کیا جائے تو وہ ان چار لفظوں میں سمجھائے گی کہ یہ واقعہ "ایک عزم کا اظہار" تھا۔ دنیا میں ہر قابل یادگار واقعہ کی عمارت، عزم کی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ عزم کے معنی کیا ہیں اسے سمجھ لینا ضروری ہے۔ اپنے پیش نظر مقصد کی صداقت پر یقین محکم، قرآن کریم کی اصطلاح میں ایمان کہلاتا ہے۔ اور جب اس مقصد کے حصول کا ارادہ کیا جائے تو اسے عزمِ راسخ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں جو اعمال صالحہ کو ایمان کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ جب تک اپنے مقصد کی صداقت پر یقین کامل نہ ہو، وہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ انفرادی مقاصد کی طرح اجتماعی مقاصد کی بھی یہی کیفیت ہے۔ تاریخ اس حقیقت کی شہادت دیتی ہے کہ کوئی بلند مقصد حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اس کے پیچھے ایسا مرد نہیں گداز نہ ہو جس کا عزم چٹان کی طرح محکم ہو کہ حوادثِ زمانہ کی تلاطم انگیز موجیں آئیں اور اس کے ساتھ اپنا سر ٹکرا کر خاسروں نامراد لوٹ جائیں۔ عزمِ راسخ کے ایسے ہی فولادی پیکر کے متعلق علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ:

مردِ خوددار سے کہ باشد بختِ کار	بامزاج اور بسا ز در روزگار
گر نہ سازد بامزاج اور جہاں	می شود جنگ آزما با آسماں
بر کند بنیادِ موجودات را	می دهد ترکیبِ نو ذرات را
می کند از قوتِ خود آشکار	روزگار نو کہ باشد سازگار

ایک ایسا ہی مرد خود دار اور بخت کار تھا جس نے آج سے اٹالیس پہلے اپنے اس عزمِ بلند کا والہانہ اظہار کیا کہ ہم، مسلمانانِ ہند کے لئے ایک جداگانہ آزاد مملکت قائم کر کے دیں گے۔ اور یہی ہے وہ تقریب جس کی یاد منانے کے لئے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اس عزم کا اعلان مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ سال ۱۹۴۷ء میں کیا گیا تھا۔ جب اس اجلاس کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا تو مخالفت کی قوتیں چاروں طرف سے هجوم کر کے اُمنڈ آئیں۔ مسلمانوں کے لئے ایک آزاد مملکت کا تصور تو اس سے دس سال پہلے (۱۹۲۷ء)

میں علامہ اقبالؒ نے پیش کیا تھا۔ لیکن اُس وقت انہوں نے بیگانوں، سب نے اسے ایک شاعر کا خواب قرار دے کر درخورد اعتنا نہ سمجھا۔ لیکن اب جو انہوں نے دیکھا کہ اس خواب کے حقیقت بنانے کے ارادے ہو رہے ہیں تو مخالف قوتیں متحدہ محاذ بنا کر صف آرا ہو گئیں۔ ان کی پہلی کوشش یہ تھی کہ اس اجلاس کو منعقد ہی نہ ہونے دیا جائے۔ اس کے لئے انہوں نے کیا کیا حربے استعمال کئے، ان کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ان کے ترکش کا آخری تیر، ۱۹ مارچ کو (یعنی اجلاس کی تاریخ انعقاد سے دو ہی روز پہلے، جبکہ اجلاس کی تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں) حکومت کے ساتھ خاکساروں کا ٹکراؤ مچا۔ اور اس مرد پختہ کار کے عزمِ آہنی کے ساتھ تصادم یہیں سے شروع ہو گیا تھا۔ پُرس ماندہ کاروانِ تحریکِ پاکستان اس کا عینی شاہد ہے۔ مجھے لاہور کے اس حادثہ، فاجعہ کی اطلاع ذرا پہلے مل گئی تھی جسے قائدِ اعظمؒ کے گوش گزار کرنے کے لئے میں بھاگے بھاگے ملٹ اور گنٹ روڈ، نئی دہلی، پہنچا۔

اجلاس ہو کر رہے گا

وہ منظر اب تک میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ میں قائدِ اعظمؒ سے اس موضوع پر باتیں کر رہا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے رسیوور اٹھایا۔ مجھے اندازہ تو خود ہی ہو گیا تھا لیکن بعد میں قائدِ اعظمؒ نے بتایا کہ لاہور سے، نواب شاہنواز مرحوم ————— چیئرمین، استقبالیہ کمیٹی کا فون تھا۔ ادھر سے کیا کہا جا رہا تھا، اسے تو میں سن نہ سکا، لیکن ادھر کیفیت یہ تھی کہ ایک ایک فقرہ پر، پُر شکوہ جلال کے ساتھ کہ آسا عزم و اعتماد کا اظہار ہو رہا تھا۔ آخری فقرہ کچھ اس طرح کا تھا کہ خواہ مارشل لا نافذ ہو یا کر فیوگے۔ یہ اجلاس منعقد ہوگا۔ اور ہر حال میں ہوگا۔ میں پروگرام کے مطابق پہنچ رہا ہوں۔

اور وہ پروگرام کے مطابق وہاں پہنچے ————— زندگی کی بعض سعادتیں اور مسرتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ جن مسرتوں سے میں اپنی زندگی میں بہرہ یاب ہوا ان میں ایک یہ بھی تھی کہ مجھے، کاروانِ طلوعِ اسلام کے سرخیل کی حیثیت سے قائدِ اعظمؒ کے ہم سفر ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ لاہور میں حالات کس قدر تو حش انگیز اور مایوس کن تھے، اس کے تذکرہ کا یہ مقام نہیں۔ میں اس وقت کہنا صرف یہ چاہتا ہوں کہ اس قدر نامساعد حالات کے باوجود، وہ تاریخی اجلاس اس قدر کامیاب ہوا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اُس زمانے کے منظرِ پارک اور بعد کے اقبال پارک میں مینارِ پاکستان کے مقام پر اجلاس کا وسیع و وسیع پیمانہ پُٹال تھا اور اس سے متصل طلوعِ اسلام کا خیمہ جو اجلاس کے وقفوں کے دوران، متعلقہ محاذ کی آماجگاہ تھا ————— کیسے عمارت روزگار تھے وہ دن، اور کس قدر حسین ہیں ان کی یادیں!

ان حالات میں وہ ریزولیشن پاس ہوا جسے قرار دادِ پاکستان کہہ کر بکارا جاتا ہے۔ اس دن، انگریزی کے لفظ (RESOLUTION) کے معانی صحیح طور پر سمجھ میں آئے۔

(۱)

اس ریزولیشن کا ردِ عمل کیا ہوا، اس کی تفصیل میں جانے کے لئے سفینہ درکار ہوگا۔ میں دو چار مثالوں

پر اکتفا کروں گا۔ اس کے خلاف سب سے پہلی آواز مسٹر گاندھی کی طرف سے اٹھی۔ انہوں نے کہا:۔

گاندھی کی طرف سے ردِ عمل

میں پوری جرأت اور جسارت کے ساتھ اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ مسٹر جناح اور ان کے ہم خیال حضرات اپنی اس روش سے اسلام کی کوئی خدمت سرانجام نہیں دے رہے، بلکہ وہ اس پٹیاء کی غلط ترجمانی کر رہے ہیں جو لفظ اسلام کے اندر پوشیدہ ہے۔ مجھے یہ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ آج کل مسلم لیگ کی طرف سے جو کچھ ہو رہا ہے اس سے میرے دل پر سخت ٹھیس لگ رہی ہے۔ میں اپنے فرائض کی سرانجام دہی میں کوتاہی کروں گا اگر میں ہندوستان کے مسلمانوں کو اس دروغ بافی سے متنبہ نہ کروں جس کا اس نازک وقت میں ان میں پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔

(ہندوستان ٹائمز - ۲۲ ستمبر ۱۹۴۷ء)

مسٹر گاندھی نے جو کہا ہے کہ مسلمانوں کے لئے ایک الگ مملکت کا مطالبہ، اسلام کے خلاف ہے، تو یہ ان کی اپنی آواز نہیں تھی۔ یہ ان کی تمام جماعتوں اور گروہوں کی صدا ہے بازگشت تھی جو مطالبہ پاکستان کو خلاف اسلام قرار دے کر اس کی مخالفت میں خون پسینہ ایک کر رہے تھے۔ (مولانا) ابوالکلام آزاد (مرحوم) جمعیت العلماء ہند (بالخصوص اس کے صدر، مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم)، سرخپوش، احرار اسلام، مودودی صاحب، جن کی جماعت ہندو وجود میں نہیں آئی تھی اور جو پاکستان کو "مسلمانوں کی کافرانہ حکومت بلکہ اس سے بھی بدتر" قرار دیتے تھے)، یہ سب اس تحریک کی مخالفت میں متفق الستان تھے۔ سندھ کے خان بہادر المہجش (مرحوم) نے اس تجویز کے متعلق کہا:-

یہ اسکیم آزادی ہند کے راستے میں روڑے اٹکاتی ہے۔

عبدالرحمن سرحدی (مرحوم) نے کہا:-

یہ ہندوستان میں برطانوی تسلط قائم رکھنے کا ذریعہ ہے۔

مولانا حفیظ الرحمن سیوہ رومی (مرحوم) نے فرمایا:-

اس سے برطانوی حکومت قائم رہے گی۔

احزازی رامپنا، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی (مرحوم) نے کہا:-

یہ اسکیم ملک کے مفاد کے لئے بالعموم اور مسلمانوں کے مفاد کے لئے بالخصوص نقصان رساں ہے۔ اگر کبھی اسلامستان وجود میں آیا تو احرار کے ہاتھوں آئے گا۔

دوسری طرف سیاسی لیڈروں میں سے سر سکندر حیات خان (مرحوم) جو اس زمانے میں پنجاب کے وزیراعظم تھے، اسلامیہ کالج کے طالب علموں کو نصیحت فرما رہے تھے کہ:-

زندگی میں تمہارا نصب العین کچھ ہی ہو لیکن یاد رکھو! تم کسی ایسی اسکیم کی تائید نہ کرنا جس کا منشا ہندوستان کو تقسیم کر کے مسلمانوں کے لئے الگ خطہ منتخب کرنا ہو۔ یہ اسلام کے بنیادی اصول کے خلاف ہوگا۔

تاریخ اس المیہ کو کبھی فراموش کر سکے گی کہ سر سکندر حیات اس کمیٹی میں شامل تھے جس نے قرارداد پاکستان کا مسودہ مرتب کیا تھا۔ اور اس کے ساتھ اس اسکیم کی مخالفت بھی کر رہے تھے۔ اس برنصیب ملت کے ساتھ اکثر ایسا ہی

ہماری اسکیم یہ ہے کہ ہم اس وقت جناح کو پاکستان بنا لیتے ہیں اور اس کے بعد معاشی طور پر یاد دیگر انداز سے ایسے حالات پیدا کرتے چلے جائیں جن سے مجبور ہو کر مسلمان گھٹنوں کے بل جھک کر ہم سے درخواست کرے کہ ہمیں پھر سے ہندوستان میں ضم کر لیجئے۔

(پاکستان فیئر انڈیا - صفحہ ۹۹)

تقسیم ہند کے سمجھوتے میں دوسرا فرق انگریز تھا۔ وہ بھی مسلمانوں کی جداگانہ مملکت کے مطالبہ کا سخت مخالف تھا۔ اور آخر تک کوشش کرتا رہا کہ ہندوستان منقسم نہ ہونے پائے۔ لیکن قائد اعظم نے اس کی ایک نہ چلی نہ دی۔ اس کا اعتراف لارڈ مونت بیٹن کی زبانی سنئے جو تقسیم کے زمانے میں میاں کاواشرائے تھا۔ ۱۹۴۵ء کے اواخر میں، اس کا ایک انٹرویو، بی۔ بی سی لندن، سے براڈ کاسٹ ہوا تھا۔ اس سے سوال کیا گیا کہ کیا اس وقت ہندوستان کو متحد رکھنے کا کوئی امکان تھا؟ اس نے اس کے جواب میں کہا:-

میں ہندوستان گیا ہی اس مقصد کے لئے تھا کہ اسے کسی طرح متحد رکھ سکوں۔ ہم صدیوں کے بعد اس ملک کو چھوڑ رہے تھے تو چاہتے تھے کہ اسے ایک متحد ملک کی صورت میں چھوڑ کر جائیں۔ اگر ایسا ہو سکتا تو یہ ایک عظیم کارنامہ ہوتا۔ اس کا مجھے شک ہے ہو جانا ایک الم انگریز حادثہ تھا جس سے ہندوستان کی قوت پارہ پارہ ہو جاتی۔ لہذا، میں نے اس مقصد کے لئے انتہائی کوشش کی۔ لیکن اس کی راہ میں ایک ایسا شخص حائل تھا جو پہاڑ کی طرح رکاوٹ بنے کھڑا تھا۔ اور وہ تھا محمد علی جناح۔ صدر مسلم لیگ، جو شروع ہی سے نہ کہتا چلا گیا اور اس کے اس ارادے کو پھلانے کے لئے میری کوشش ناکام ہو گئی۔ مجھے بالآخر اس کے سامنے جھکنا پڑا۔

(طلوع اسلام - فروری ۱۹۴۶ء)

انگریز، قائد اعظم کے اپنی ارادے کے سامنے باصبر دل ناخواستہ جھکنے کو تو جھک گیا لیکن اس سے اس کے دل پر کس قدر گہرا زخم لگا۔ اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جب تقسیم ہند کا مل منظور کی گئی تو برطانوی پارلیمنٹ میں پیش ہوا تو وہاں کے وزیر اعظم، لارڈ اٹلی نے (جو اس زمانے میں میجر اٹلی تھے)، اپنی تقریر میں کہا:-

ہندوستان تقسیم ہو رہا ہے۔ لیکن مجھے امید واثق ہے کہ یہ تقسیم زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکے گی اور یہ دونوں مملکتیں جنہیں ہم اس وقت الگ کر رہے ہیں، ایک دن پھر آپس میں مل کر رہیں گی۔

تشکیل پاکستان کے سلسلہ میں ہندو اور انگریز کے قلبی اضطراب کی ایک جھلک ہم نے دیکھی۔ لیکن وہ مسلمان راہ نما، جو مطالبہ پاکستان کی مخالفت میں پیش پیش چلے آ رہے تھے، ان کی تڑپ اور خلش کا اندازہ (مولانا) ابوالکلام آزاد (مرحوم) کی کتاب (INDIA WINS FREEDOM) سے لگ سکتا ہے جو ان کی وفات کے بعد شائع ہوئی تھی۔ اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ کانگریس کے اجلاس میں تقسیم ہند کا مسئلہ زیر بحث تھا۔ اس میں کانگریسی ہندو ایک ایک کر کے تقسیم کے حق میں ہو گئے اور مخالفین میں خود

(مولانا) آزاد اور خان عبدالغفار خان رہ گئے۔ غفار خان صاحب نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ”ہم نے ساری عمر تمہارا ساتھ دیا اور تم ہماری وفا شہدائی کا یہ صلہ دے رہے ہو کہ ہمیں بھیڑیوں کے آگے ڈال کر جا رہے ہو!“ مودودی صاحب نے ایک اور راستہ اختیار کیا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ جن صوبوں میں مسلمان اکثریت میں تھے، وہاں ان کی مخالفت کا کوئی اثر نہیں ہوا، تو انہوں نے ان صوبوں کا رخ کیا جہاں مسلمان اقلیت میں تھے تاکہ یہ کہہ کر پاکستان بننے کے بعد ہندوستان میں تمہارا کیا حشر ہوگا، انہیں تقسیم ہند کی مخالفت کے لئے ابھارا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اس مقصد کے لئے اپریل ۱۹۴۷ء میں، مدراس - ٹونک اور پٹنہ میں جماعت اسلامی کے خصوصی اجلاس منعقد کئے۔ جہاں اپنی تقریروں میں کہا کہ:-

ہندو اکثریت کے علاقوں میں مسلمان منقریب محسوس کریں گے کہ جس قوم پرستی پر انہوں نے اپنے اجتماعی رویہ کی بنیاد رکھی تھی وہ انہیں بایان مرگ میں لا کر چھوڑ گئی ہے اور ان کی قومی جنگ جسے وہ بڑے جوش و خروش سے بغیر سوچے سمجھے لڑ رہے تھے، ایک ایسے نتیجہ پر ختم ہوئی ہے جو ان کے لئے تباہی کے سوا اپنے اندر کچھ نہیں رکھتی۔

(روئداد جماعت اسلامی - حصہ پنجم - ص ۱۱۷)

لیکن (وائس افسر) کہ ان صوبوں کے مسلمانوں نے بھی ان کی مخالفت کا کوئی اثر نہ لیا۔ بلکہ مدراس کے جلسہ میں ہنگامہ بھی ہوا۔ اس کے برعکس، پٹنہ کے اجلاس میں (رحمان) گاندھی نے اپنی پراختصاص چھوڑ کر شرکت کی۔ ان تمام مخالفتوں کے باوجود تقسیم ہند کا فیصلہ ہو گیا تو مخالفین کی طرف سے کھلے بندوں مخالفت کے بجائے خفیہ سازشیں شروع ہو گئیں۔ ان سازشوں میں سب سے پہلی اور مہیب سازش باؤنڈری کمیشن

میں شامل ہوں گے۔ ان علاقوں کی حدود معین کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا گیا تھا۔ چاہیے یہ تھا کہ ملک کی عمل تقسیم سے پہلے، یہ حدود متعین ہو جائیں لیکن اس کمیشن نے اس میں دالستہ تاخیر کر دی اور حدود کا اعلان تقسیم کے بعد کیا۔ اب آہستہ آہستہ یہ راز بے نقاب ہو رہا ہے کہ یہ سب انگریز اور ہندو کی گہری سازش کے تحت کیا جا رہا تھا، اور مقصد اس سے یہ تھا کہ مسلمان اکثریت کے علاقوں میں سے بھی بعض نہایت اہم اور کلیدی رقبہ ہندوستان کو دے دیئے جائیں۔ ان میں سب سے اہم رقبہ وہ تھا جس میں سے کشمیر کی طرف راستہ جانا تھا۔ یاد رہے کہ کشمیر کی طرف ایک راستہ تو گجرات یا راولپنڈی کی طرف سے جاتا تھا۔ اور دوسرا گورداسپور کی طرف سے۔ گجرات اور راولپنڈی کی طرح ضلع گورداسپور میں بھی، مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ اور یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ علاقہ پاکستان میں شامل نہیں ہوگا۔ لیکن جب اس کمیشن کی طرف سے حدود کا اعلان ہوا تو یہ ضلع (اور اس قسم کے کچھ اور علاقے) ہندوستان کی نذر کر دیئے گئے۔ اس اعلان سے پہلے، اور تو اور، خود قائد اعظم کو بھی اس کا علم نہیں تھا۔ وہ بھی مطمئن تھے کہ گورداسپور کا ضلع پاکستان کا حصہ ہوگا۔ میں اس کا ذاتی شاہد ہوں۔ بات یوں ہوئی کہ میں اس زمانے میں

ملازمت کے سلسلہ میں، دہلی (نئی دہلی) میں تھا اور میری والدہ (مرحومہ) اور کچھ اور افراد خاندان دہلی میرے پاس تھے۔ دہلی میں فسادات شروع ہو چکے تھے۔ ہم (اہلِ وفاتہ) نے دہلی سے سیدھے کراچی جانا تھا لیکن کراچی میں رہائش کی کوئی ضمانت نہیں تھی۔ مجھے پریشانی تھی کہ ان افراد خاندان کے متعلق کیا فیصلہ کیا جائے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اس کی بابت قائد اعظم سے مشورہ کر لیا جائے جب میں نے اپنی پرہیزگاروں کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے فرمایا کیا تم نے یہ نہیں بتایا تھا کہ تم گورداسپور کے ضلع کے رہنے والے ہو اور تمہارا قصبہ قادیان کے قریب ہے۔ میں نے کہا کہ یہ درست ہے۔ فرمایا کہ پھر تشویش کس بات کی ہے۔ باؤڈری کمیشن کے ایک ممبر سر ظفر اللہ خان بھی ہیں جو قادیان ہیں۔ ضلع گورداسپور تو پاکستان ہی کا ایک حصہ ہوگا۔ اپنے اہل خاندان کو گھر جمع دوا اور خود سیدھے کراچی چلے جاؤ۔ چنانچہ میں نے ان کے مشورے کے مطابق اپنے ان افراد خاندان کو بٹانہ بھیج دیا۔ جہاں سے کچھ افراد ہمارے گاؤں (وٹھے چاک) چلے گئے۔ یہ گاؤں اس سرک کے کنارے واقع تھا جو بٹانہ سے، سکھوں کے مقدس مرکز ڈیرہ بابا نانک کی طرف جاتی ہے۔ تقسیم سے کچھ ہی دن پہلے کی بات ہے۔ جب ۷ اگست کو میں نے کراچی میں سنا کہ گورداسپور کا ضلع ہندوستان کو دے دیا گیا ہے تو میرے دل پر جو گزری اس کا آج اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا۔ میرے (یا میرے جیسے) ہزاروں لاکھوں افراد کے) تو دل پر ہی گزری۔ لیکن وہاں کے رہنے والوں کے اپنے اوپر جو کچھ گزری اسے اب آسمان کی آنکھ کے سوا کون بتا سکتا ہے!

تقسیم کے وقت کی قیامت خیزیاں

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء (روزِ جمعۃ الوداع) ہندوستان اور پاکستان کی دو الگ الگ مملکتوں کا وجود عمل میں آیا اور اس کے دورِ زبد، مسلمانوں نے آزادی کی فضا میں پہلی عید منائی۔ لیکن ہنوز فاترِ عید کی تکبیریں بھی پوری نہیں ہوئی تھیں کہ مشرقی پنجاب اور اس کی ریاستوں — نامیہ — پٹیالہ — کپورتھلہ — فرید کوٹ سے مسلمانوں کے منظم اور وسیع پیمانے پر قتل عام کی خبریں آنی شروع ہو گئیں۔ اس قتل و غارت گری میں ہزاروں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ عورتوں کو اغوا کیا گیا۔ بچوں کو سنگینوں کی ٹوک پر اٹھا لایا گیا۔ عصمتِ دربی کے واقعات عام ہونے لگے۔ بعض شہروں میں، مردوں کو ختم کر کے، نوجوان عورتوں کے بزمِ مجلس نکالے گئے۔ چند ہی ہفتوں کے اندر اندر تقریباً پانچ لاکھ مسلمان قتل کر دیئے گئے۔ اس کے بعد قتل و غارت گری کی اس آگ کا رنج دہلی کی طرف پھرا اور ہندوستان کے دارالسلطنت میں ستمبر کا پورا مہینہ اس قسم کے قتل عام میں گزرا جس کی مثال تاریخ کے ادراک میں نہیں ملتی۔ ایک اندازہ کے مطابق اس خونی تماشے میں، بھارت میں قریب دس لاکھ مسلمان قتل و غارت گری کی نذر ہو گئے اور قریب ایک کروڑ مسلمان، انتہائی کس پرہیزگاروں کے عالم میں، کسی نہ کسی طرح جان بچا کر پاکستان پہنچ پائے۔ ان تارکینِ وطن کے ساتھ راستے میں کیا گزری، اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگائیے۔ کہ نومبر ۱۹۴۷ء میں، ضلع انبالہ کے کراٹیا کیمپ سے پانچ ہزار پناہ گزینوں کا قافلہ لائل پور

کے قریب پہنچا۔ ان میں سے دو ہزار مختلف بیماریوں میں مبتلا تھے۔ ان میں پیمیش کا مرض عام تھا۔ اس کیمپ میں انہیں جو آٹا کھانے کو دیا جاتا تھا، جب اس کا کیمیاوی تجربہ کیا گیا تو اس میں نیلا تھو تھا کا زہر ملا ہوا تھا۔ ایک گاڑی، ایلو ہیر کو دہلی سے لاہور پہنچی تو اس میں سفر کرنے والی عورتوں اور لڑکیوں نے بتایا کہ حکومت ہند نے جو سپاہی ان کی حفاظت کے لئے گاڑی میں متعین کئے تھے، انہوں نے کس طرح راستے میں ان کی عصمت دری کی۔ ایک ٹرین میں قریب ڈیڑھ ہزار پناہ گزین دہلی سے آرہے تھے۔ امرتسر کے قریب ان سب کو ختم کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ ہندوستان میں، ہندوستانی حکومت کی طرف سے، وہاں سے آنے والے مسلمانوں کے خلاف ہو رہا تھا۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے ہندوؤں کی طرف سے کیا وادیاں چاہا جا رہا تھا۔ ان کی طرف سے مسلسل چیخ و پکار ہو رہی تھی کہ مسلمانوں نے ہندوؤں کو تباہ و برباد کر دیا ہے، ان کے گھر لوٹ لئے ہیں، ان کی عورتوں کو اغوا کر لیا ہے۔ یہ تھا وہ وادیاں جس کی طرف اشارہ کرنے کے بعد، ہما، گاندھی نے ۲۶ ستمبر ۱۹۴۷ء کی اپنی شام کی پیرا تقریب کی میٹنگ میں کہا تھا کہ:-

اگرچہ میں نے جنگ کی ہمیشہ مخالفت کی ہے لیکن اگر اس سلسلہ میں پاکستان سے انصاف حاصل کرنے کا کوئی اور طریقہ کار گرنہ ہوا تو پھر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا کہ ہندوستان پاکستان کے خلاف جنگ کرے۔

پاکستان پر حملہ کرنے کے یہ ارادے اس زمانے میں کئے جا رہے تھے جب حالت یہ تھی کہ تقسیم کے معاہدہ کی نوے سے ایک لاکھ بیسٹھ ہزار ٹن سامان، پاکستان کے حصہ میں آیا تھا۔ اس میں سے ہندوستان نے (۳۱ مارچ ۱۹۴۸ء تک) صرف (۳۰،۰۰۰) ٹن سامان پاکستان کو دیا تھا۔ باقی سب ٹرپ کر گیا تھا تقسیم کے وقت چار ارب روپیہ نقد ہندوستان میں موجود تھا جس میں سے ایک ارب روپیہ پاکستان کے حصے میں آتا تھا۔ ہندوستان نے اس رقم کے دینے سے بھی انکار کر دیا اور دسمبر ۱۹۴۷ء میں بمشکل اس پر راضی ہوا کہ پاکستان کو (۷۵) کروڑ روپیہ دے دیا جائے۔ اس میں سے بیس کروڑ روپیہ پاکستان کو پہلے مل چکا تھا لیکن ہندوستان اس معاہدہ کے باوجود کہ (۷۵) کروڑ روپیہ پاکستان کو دے دیا جائے، بقایا (۵۵) کروڑ روپیہ دبا کر بیٹھ گیا۔ اس کی وصولی کے لئے پاکستان کو ہزار جتن کرنے پڑے، اور جب بین الاقوامی دباؤ کے تحت ہندوستان کو یہ روپیہ ادا کرنا پڑا تو اس میں سے بھی پانچ کروڑ روپیہ ڈنڈی مار کر رکھ لیا۔ اس زمانے میں ہماری حالت یہ تھی کہ پاکستان کے خزانے میں، ملازمین کو تنخواہیں نکال دینے کے لئے بھی پیسہ نہیں تھا۔ دفاتر کا بیشتر دیکارڈ راستوں میں تباہ کر دیا گیا تھا۔ ملازمین کی کافی تعداد ٹرینوں میں قتل ہو چکی تھی۔ جو کچھ بچے کراچی پہنچے تھے۔ ان کے پاس نہ رہنے کو مکان تھا، نہ دفتروں میں بیٹھنے کی جگہ۔ ہم نے درختوں کے سائے تلے (PACKING CASES) پر بیٹھ کر روزمرہ کا کام کیا تھا۔

ہندوؤں کے عزائم | انگریزوں کے (ہندوستان سے) چلے جانے کے بعد، ہندوؤں کے عزائم کیا تھے، ان کا انکشاف، قائد اعظم نے دسمبر ۱۹۴۷ء میں آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس

فیڈریشن کے اجلاس میں ان الفاظ میں کہا تھا:-

ہندو مہا سبھا کے صدر، سادو کر، کی اسکیم یہ ہے کہ جب (انگریز کے چلے جانے کے بعد) میرا بڑی فضائی افواج میں ہندوؤں کو (۷۵) فی صد حصہ مل جائے گا تو پھر ہندو راج قائم کر لیں گے۔
جائے ان مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا جو شمال مغرب اور شمال مشرق میں بستے ہیں ان کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ سرحدوں پر ہندو فوج اس طرح بٹھادی جائے گی جس طرح اب برطانوی فوج متعین ہے اور یہ فوج اس کا خیال رکھے گی کہ مسلمان سر نہ اٹھاسکیں۔

ہندوؤں کے یہ عزائم اس صورت میں تھے جب ہندوستان تقسیم نہ ہوا اور فوج (۷۵) فی صد ہندوؤں کو ملے۔ لیکن تقسیم کے بعد جب فوج کا پورے کا پورا سو فی صد حصہ ہندوؤں کے پاس تھا، اس کے مشغوم ارادوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے! مثلاً راجہ ہندو پر تاپ نے کھلے الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ:-

جب تک پاکستان کا وجود ختم نہیں ہو جاتا ہمارا ملک کوئی ترقی نہیں کر سکتا۔ حالات اس طرح بدل رہے ہیں کہ مجھے یقین ہوتا چلا جا رہا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان میں جنگ لائیٹنگ ہو گئی ہے۔ بنابریں میں اپنی حکومت کو مشورہ دوں گا کہ وہ افغانستان کو اپنے ساتھ ملا کر پاکستان کو ختم کر دے۔ (ویر بھارت۔ مورخہ ۲۱ دسمبر ۱۹۵۷ء)

اڈریس سوشلسٹ پارٹی کے لیڈر مسٹر لوتیا اتنا انتظار بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب "الگلا قدم" میں لکھا تھا:-

ہم زیادہ عرصہ تک انتظار نہیں کر سکتے۔ شاید دو تین سال کے عرصہ ہی میں امرتسر اور پاکستان کی درمیانی حد فاصل مٹ جائے گی۔ یہیں پاکستان کے نہ ہر کو ختم کر کے تقسیم ہند کو معدوم کر دینا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مصنوعی تقسیم ختم ہو جائے گی اور پاکستان اور ہندوستان پھر سے ایک ہو جائیں گے۔

پاکستان کے خلاف یہ عزائم تنہا ہندوؤں کے نہیں تھے۔ اس باب میں سکھ ان سے بھی تیز تھے۔ شروع ۱۹۴۷ء میں جب تقسیم ہند کے متعلق محض قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں، سکھوں کے مشہور لیڈر مسٹر تارا سنگھ نے مسلمانوں کے خلاف انتہائی شرانگیز تقریروں کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ انہوں نے ۲۸ فروری ۱۹۴۷ء کو ایک تقریر میں کہا:-

میں نہیں سمجھ سکتا کہ ہم خانہ جنگی کو کیسے روک سکتے ہیں۔ جب تک مسلمان پنجاب پر راج کرنے کی نواہشات ترک نہیں کریں گے اس وقت تک ان سے کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ سکھوں کے پاس اس قدر طاقت موجود ہے کہ وہ مسلمانوں کو مشرقی پنجاب سے نکال دیں۔ لیکن ہم اسی پر اکتفا کیوں کریں۔ ہم ان کو سارے پنجاب سے نکال دیں گے۔ ہم نے اس مقصد کے لئے اپنی نجی رضا کار فوج کی از سر نو تنظیم شروع کر دی ہے۔ (طلوع اسلام۔ اگست ۱۹۴۷ء)

پھر انہوں نے ۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو ایک تقریر میں کہا:-

خالصہ پنج کو چاہیے کہ وہ اس موقع کی نزاکت کو سمجھے۔ میں ہر سکھ سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنا فرض ادا کرے۔ ہم زندہ رہیں یا مرجائیں لیکن مسلمان راج کی اطاعت تسلیم نہیں کریں گے۔ خالصہ اٹھو! اپنے سنگر لنگوٹ کس لو، نازک گھڑی آپہنچی ہے۔ واہ گردو ہماری راہنمائی اور مدد کریگا۔ (ایضاً)

۴ مارچ ۱۹۴۷ء کو ماسٹر تارا سنگھ، پنجاب اسمبلی ہاؤس سے "پاکستان مردہ مادر" اور "ست سری اکال" کے نعرے لگاتے اور اپنی کسبان لہراتے ہوئے نکلے اور انہوں نے اعلان کیا کہ:-

وقت آ گیا ہے کہ صرف تلوار کی طاقت کا راج ہوگا۔ سکھ تیار رہیں۔ ہم مسلمانوں کے ہوش ٹھکانے لگادیں گے۔ جب تک ہم پنجاب سے مسلم راج کا خاتمہ نہیں کر دیں گے ہماری تلوار نیام میں نہیں جائے گی۔ (ایضاً)

سکھوں کے ایک اور مشہور لیڈر، گیانی کرتار سنگھ نے اپنی تقریر میں کہا:-

آج کے دن سے ہماری مقدس جنگ شروع ہو گئی ہے۔ آج سے ایک سو سال پیشتر ہمارے لہرو جھنڈے لاہور کے قلعے پر لہرا رہے تھے۔ یہی جھنڈا پھر لہرائے گا۔ یہ فیصلہ ہمارا جنگ کا کلہاڑا کرے گا کہ حکومت مسلمان کریں گے یا ہم۔ سکھ گردو گوبند سنگھ کے نام پر آج نہیں آنے دیں گے۔ یہ تھے سکھوں کے عزائم پاکستان کے متعلق۔

ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے یہ اشتعال انگیزیاں اور تباہ کاریاں تنہا ان کے عزائم کی غماز نہیں تھیں۔ ایسا کچھ انگریز کے علم اور ایما سے ہو رہا تھا۔

انگریز کی ملی بھگت

جب جولائی ۱۹۴۷ء میں، پاکستان کے وزیر مالیات، ملک غلام محمد (مرحوم) لندن گئے ہیں تو انہوں نے وہاں ایک انٹرویو کے دوران کہا تھا:-

جب تقسیم ہند کے زمانے کے حادثات کی تاریخ لکھی جائے گی تو ان کا الزام ایک حد تک بلکہ تقریباً کامل اس شخص پر آئے گا جو اس وقت دائرہ قائم تھا۔ پنجاب کے فسادات ایک گہری سازش کا نتیجہ تھے۔ اس سازش میں ایک طرف سکھوں کا وہ جنگجو طبقہ شریک تھا جو وہاں اپنا راج قائم کرنا چاہتا تھا اور دوسری طرف راشٹریہ سیکرٹریٹ کے یہ کمیونہ عزائم تھے کہ مسلمان آبادی کا صفایا کر کے پاکستان کا خاتمہ کر دیا جائے۔ تقسیم سے پہلے حکومت ہند کو ان سرگرمیوں کا بخوبی علم تھا۔ لیکن ان کے سبب اب کے لئے کچھ کارروائی نہیں کی گئی۔ دائرہ قائم لاڈ مارڈ ماؤنٹ بیٹن کو پورا علم تھا کہ یہ فتنہ کھڑا کیا جا رہا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ اسلحہ جمع کیا جا رہا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ سکھ کیا کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو کیسے ستایا جا رہا ہے۔ اس کی سی۔ آئی۔ ڈی نے یہ معلومات اسے ہم پہنچادی تھیں اور اس کے رفقاء نے کونسل کچھ کرنے کے لئے دہلی درے رہے تھے لیکن وہ اپنی کابینہ کے مسلمان ارکان کو جھوٹی طفل تسلیاں دیتا رہا۔

(طلوع اسلام - اگست ۱۹۴۷ء)

یہ تھے عزیزانِ من! وہ قیامت خیز حوادث جن میں پاکستان کا وجود عمل میں آیا۔ کوئی اور ہوتا تو ہندو، سکھ اور

انگریز کی اس متحدہ سازش، اور دوسری طرف اس نوزائیدہ مملکت میں اس قدر ناسازگار حالات، سے گھبرا کر حوصلہ ہار دیتا اور سپراندازہ ہو جاتا۔ لیکن اس مجاہد جاننا نہ لے، اس جنگ میں سچ مچ اپنی جان دے دی لیکن دشمن کے سامنے سر نہ جھکا یا۔ اسے کہتے ہیں یقینی حکم اور عزم راسخ!

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

آگے بڑھنے سے پہلے، میں اس مقام پر ایک اعتراض کا جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جب باؤنڈری کمیشن کا فیصلہ اس قدر فریب دہی اور دھاندلی پر مبنی تھا، تو قائد اعظمؒ نے اسے قبول کیوں کر لیا اس کا جواب خود قائد اعظمؒ نے، ریڈیو پاکستان سے ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو نشر کردہ اپنی تقریر میں دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا:-

ایک اعتراض کا جواب

ملک کی تقسیم اب اس اندازہ سے اہتمام پذیر ہو گئی ہے کہ اسے مسترد نہیں کیا جاسکتا۔ ہمیں اس کا گہرا احساس ہے کہ ہماری آزاد مملکت کے جس طرح پرچھے اٹائے گئے ہیں وہ یکسر نا انصافی پر مبنی ہیں۔ یہیں پہلے ہی آخری حد تک سٹھا دیا گیا تھا۔ اور پھر یہی سہی کسر باؤنڈری کمیشن نے پوری کر دی۔ کمیشن کا فیصلہ غیر منصفانہ، ناقابلِ فہم اور بدنہادی پر مبنی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم نے اس کی پابندی کا عہد کر لیا ہوا ہے، لہذا، اس کا قبول کرنا ہم پر واجب ہو گیا ہے۔ ہم ایسا عہد کرنے والے شریف لوگ ہیں۔ اس لئے ہمیں خواہی نخواہی اسے قبول کرنا ہوگا۔ یہ ہماری بد نصیبی سہی، لیکن جہاں ہم نے اتنی چوٹیں پہلے برداشت کی ہیں، اسے بھی ہمت، حوصلہ اور امید کے ساتھ برداشت کر لینا چاہیئے۔

مملکت کی وہ مشکلات کیا تھیں جن کے تابع اس کمیشن کا تقرر اور اس کے فیصلے کی پابندی قبول کرنی پڑی تھی، اس کی تفصیل ہمارے سامنے نہیں آئی۔ اس زمانے کے وزیر اعظم پاکستان نے، اپنی ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء کی نشری میں البتہ اتنا کہا تھا کہ:-

عام طور پر پوچھا جاتا ہے کہ مسلم لیگ نے پنجاب اور بنگال کی تقسیم کیوں قبول کی جب وہ جانتی تھی کہ اس کے نتائج کیا نکلنے والے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ ہم سے یہ کہا گیا تھا کہ اگر ہم نے صوبائی تقسیم قبول نہ کی تو ہمیں پاکستان نہیں ملے گا۔ اگر ہم موجودہ پاکستان قبول نہ کرتے تو اس کے نتائج اتنے خطرناک ہوتے کہ مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

(طلوع اسلام - ستمبر ۱۹۴۷ء)

یہ محقق وہ مجبوریاں جن کے پیش نظر اس فیصلہ کو قبول کرنا پڑا تھا۔ یا اسی قسم کا پاکستان قبول کرو اور یا ابدی طور پر ہندوؤں کی غلامی میں رہو!

(۲)

اب آگے بڑھئے۔ ہندوستان تقسیم ہو گیا۔ اس طرف ہندوؤں کی حکومت قائم ہو گئی۔ ادھر پاکستان کی مملکت وجود میں آگئی۔ اس پر ہر قلب شرافت آگئیں میں یہ خیال اٹھ رہے گا کہ اس کے بعد پاکستان کی مخالفت ختم ہو جانی چاہیئے

مختی۔ لیکن یہ تو شرافت اور دیانت کا تقاضا تھا۔ ابلیسی سیاست کا نہیں جس کا مفاد ہی خود غرضی اور مفاد پرستی پر ہوتا ہے۔ ہندو اور انگریز ہی نہیں۔ دنیا کی اور بھی قوتیں ایسی تھیں جن کے دل میں ایک مستحکم، مضبوط اور طاقتور پاکستان کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ بالخصوص اس لئے کہ اس کے بانیوں نے بصراحت اعلان کیا تھا کہ اس مملکت میں قرآنی نظام نافذ ہوگا، اور اس نظام میں انسانوں کے خود ساختہ ہر نظام کو موت کا پیغام نظر آتا تھا۔

غیر ملکوں کے ایجنٹ

اس لئے ان قوتوں کی انتہائی کوشش تھی کہ اس مملکت کو اپنے نہ دیا جائے۔ ان قوتوں کی میکینیکل سیاست کا حربہ یہ ہوتا ہے کہ یہ دوسرے ممالک میں اپنے ایجنٹ بھیج دیتی ہیں جو وہاں مختلف جہلوں اور حربوں سے اندر ہی اندر ایسی صورت پیدا کرتے رہتے ہیں کہ وہ ملک پیہم انتشار اور خلفشار کا شکار رہے، اور اس طرح اس میں استحکام پیدا نہ ہونے پائے۔ مسلمان، مذہب پرست قوم ہے اس لئے ان ممالک کے لئے ایسے ایجنٹ تلاش کئے جاتے ہیں جو مذہب کے نام پر انتشار پھیلاتے رہیں۔ اس سلسلہ میں، حال ہی میں، ایک بڑا اہم راز بالائے نام آیا ہے۔ جب ایران کے ہنگاموں کے نتیجے میں، وہاں کے شاہنشاہ کو ملک چھوڑنا پڑا تو امریکی ارباب اقتدار و مشاہیر سیاست، صدر کارٹر کے گلے پڑ گئے کہ تمہاری سیاست، جاسوسی اور سراغ رسانی کے انتظامات کیسے ہیں جو تمہیں معلوم ہی نہ ہو سکا کہ ایران میں مذہبی تنظیموں کے رجحانات کیا ہیں اور وہ کتنی طاقت پکڑ رہی ہیں! اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں ہماری پالیسی کو اس قدر شکست فاش نصیب ہوئی! اس پر اخبارات میں حسب ذیل نہایت اہم خبر شائع ہوئی۔

واشنگٹن۔ ۲۱ جنوری۔ امریکہ کے صدر، جی کارٹر کے سب سے بڑے سیکریٹری ایڈوائزر مسٹر (BREZINSKI) نے احکام جاری کئے ہیں کہ دنیا بھر میں اسلامی تحریکوں کے اثرات کا جائزہ لیا جائے۔ اس مطالعہ اور جائزہ کا مقصد یہ ہے کہ حکومت کو مسلمانوں کی مذہبی تحریکوں کے اثرات کے متعلق اس سے بہتر معلومات بہم پہنچائی جاسکیں، جس قدر اسے ایران کے معاملہ میں حاصل ہوئی تھیں۔ (بحوالہ پاکستان ٹائمز۔ ۲۲ جنوری ۱۹۷۹ء)

آپ غور فرمائیے کہ امریکہ کو مسلمانوں کی مذہبی تنظیموں اور تحریکوں سے کیا دلچسپی ہے جو ان کے اثرات کا جائزہ لینے کے لئے وہ اس قدر عالمگیر مہم چلا رہا ہے؟ سوچئے کہ وہ کون سے مذہبی اثرات ہو سکتے ہیں جن کے متعلق صحیح معلومات نہ ہونے کی وجہ سے اس کی پالیسی کو ایران میں ذلت آمیز شکست اٹھانی پڑی اور دیگر اسلامی ممالک میں اس کی پیش بندی کے لئے اس قسم کے انتظامات کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی!

یہ ہے ان قوتوں کا وہ طریق کار جس کی رو سے وہ ایسا انتظام کرتی ہیں کہ مسلم ممالک میں ان کی پالیسی کا فزا اور غالب رہے۔ نظر آتا ہے کہ تشکیل پاکستان کے بعد، ان قوتوں نے بھی سازش کی اور اس مملکت کے قیام کے ساتھ ہی انہوں نے یہاں اپنے ایجنٹ بھیج دیئے۔

جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے، پاکستان کا وجود، یورپ اور امریکہ جیسے نظام سرمایہ داری کے حامل ممالک اور روس جیسے کمیونسٹ ملک، دونوں کی نگاہوں میں کھٹکتا تھا۔ مسلمانوں کے ممالک میں، سرمایہ دار قوتوں کے ایجنٹوں کے لئے کامیابی کے نسبتاً زیادہ مواقع حاصل ہوتے ہیں کیونکہ وہ مذہب کی آڑ میں کمیونسٹوں کے خلاف

مذہب کے نقاب ہیں

بڑی آسانی سے، اور کھلے بندوں پر ایگنڈہ کر سکتے ہیں۔ برعکس کمیونسٹوں کے، کہ خدا کے انکار کا کلنگ کاٹیکہ ان کے راستے میں ہماری طرح حائل ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ان ممالک میں خلفشار پیدا کرنے کے لئے اور انداز کے حربے استعمال کرتے ہیں۔ جہاں تک مذہب کی آڑ میں اسلام کی تخریب کا تعلق ہے، مودودی صاحب نے اپنے ایک مقالہ — تجدید و احیاء دین — میں اسلامی تاریخ کے حوالے سے اس حقیقت کو واضح کاف انداز میں بیان کیا ہے۔ آپ اس اقتباس میں لفظ ”جاہلیت“ کے بجائے سازش ”پڑھیں تو عصر حاضر کی سیاست کے حوالے سے بات سمجھ میں آجائے گی۔ انہوں نے کہا ہے۔

سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ جاہلیت بے نقاب ہو کر سامنے نہیں آئی تھی بلکہ ”مسلمان“ بن کر آئی تھی۔ کھلے دھڑے یا مشرکین و کفار سامنے ہوتے تو شاید مقابلہ آسان ہوتا۔ مگر وہاں تو آگے آگے توحید کا اقرار، رسالت کا اقرار، صوم و صلوة پر عمل قرآن و حدیث سے استشہاد تھا۔ اور اس کے پیچھے پیچھے جاہلیت کا کر رہی تھی۔ ایک ہی دھجہ میں اسلام اور جاہلیت کا اجتماع ایسی سخت پیچیدگی پیدا کر دیتا ہے کہ اس سے عہدہ برآ ہونا جاہلیت صریحہ کے مقابلہ کی بہ نسبت ہزاروں گنا مشکل ثابت ہوا ہے۔ عربی جاہلیت سے لڑنے کے لئے کھڑے ہو کر مسلمانوں پر لئے آپ کے ساتھ ہو جائیں گے اور کوئی مسلمان اس کی حمایت نہ کر سکے گا۔ مگر اس مرکب جاہلیت سے لڑنے کے لئے تو منافقین ہی نہیں، بہت سے اصل مسلمان بھی اس کی حمایت پر کمر بستہ ہو جائیں گے اور اُلٹا آپ کو مورد الزام بنا ڈالیں گے۔ جاہلی امارت کی مسند اور جاہلی سیاست کی راہنمائی پر ”مسلمان“ کا جلوہ افروز ہونا۔ جاہلی تعلیم کے مدرسے میں ”مسلمان“ کا معتم ہونا۔ جاہلیت کے سجادہ پر ”مسلمان“ کا مرشد بن کر بیٹھنا، وہ زبردست دھوکا ہے جس کے فریب میں آنے سے کبھی لوگ بچ سکتے ہیں۔

(ترجمان القرآن - بابت دسمبر ۱۹۶۹ء - ۱۹۷۰ء - ۲۸۳-۲۸۴)

ہماری تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ اسلام کو مسیح اور مسلمانوں کی سلطنتوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے جتنا کچھ مذہب کے نقاب میں کیا گیا ہے، کھلی دھڑے یا لادینی سیاست کے حصے میں اس کا عشرِ عشر بھی نہیں آیا۔ ہماری ساری تباہی مذہب کی آڑ میں ہوئی ہے۔ اس وقت امریکہ کو جو اس قدر تشویش لاحق ہو رہی ہے تو اس لئے کہ وہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ مسلمان ممالک میں جہاں اس کی سازش اسلام کے پردے میں کار فرما ہے، اس کے ایجنٹوں کی کارکردگی میں کمی یا کمزوری کیوں واقع ہو گئی ہے۔ وہ اس کا سبب دریافت کرنا چاہتا ہے۔

بہر حال میں کہہ یہ رہا تھا کہ تشکیل پاکستان کے ساتھ ہی، معاند قوتوں نے اپنے ایجنٹ یہاں بھیجے شروع کر دیئے۔ یہ میرا قیاس نہیں، امر واقعہ ہے جس کی شہادت ہمارے بڑے

پاکستان میں ایجنٹ

بڑے راہ نمادیتے چلے آ رہے ہیں۔ پاکستان کو وجود میں آنے لگی تھی

وہ ہی ہوئے تھے کہ قائد اعظم نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا:-

میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے اندر وہ لوگ موجود ہیں جو بیرونی قوتوں سے مالی امداد حاصل کر کے پاکستان کے درپے تخریب ہیں۔ میں آپ لوگوں کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ ان سے ہوشیار

رہیں اور ان کے دل کش نغردوں اور جاذبِ توجہ وعظموں سے فریب میں نہ آجائیں۔

{ روزنامہ ڈان - کراچی - مورخہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۸ء
[بحوالہ طلوع اسلام - بابت مارچ - اپریل - مئی ۱۹۴۸ء]

اسی تاریخ کو کراچی میں وزیر خزانہ ملک غلام محمد (مرحوم) نے ایک پریس کانفرنس کے دوران کہا:-

مجھے یقین ہے کہ ملازمین کا طبقہ دل کا کھرا ہے۔ لیکن ان پر ایک ایسا طبقہ اثر انداز ہو رہا ہے جو ہماری معاشرتی زندگی کا دشمن اور بیرونِ پاکستان قوتوں کا آلہ کار ہے۔ حکومت کو بعض ایسی جماعتوں کی سرگرمیوں کا علم ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ وہ سرکاری ملازمین کو حکومت کے لئے مشکلات پیدا کرنے کے لئے اکسائیں۔ ان میں سے بعض ہمارے معاشرتی نظام کے دشمن اور تشدد آمیز انقلاب کے حامی ہیں..... ان میں سے بعض کے متعلق ہمیں حتمی طور پر معلوم ہے کہ وہ باہر سے ہدایات حاصل کرتے ہیں۔ کوئی حکومت بھی ایسے عناصر کے وجود کو برداشت نہیں کر سکتی۔ ہمارے ملازمین حکومت کو محتاط رہنا چاہیے کہ وہ اس قسم کے لوگوں کے دامِ فریب کا شکار نہ ہو جائیں۔ (ڈان - ۲۳ مارچ ۱۹۴۸ء - ایضاً)

اس کے بعد وزیر اعظم نواب زادہ لیاقت علی خاں (مرحوم) نے ۱۳ اپریل کو اپنے ایک بیان میں کہا:- بعض سازشی گروہ (ففتہ کالم) ملازمین حکومت کی مشکلات سے ناخائز فائدہ اٹھا کر انہیں اپنے مقاصد براری میں استعمال کرنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ اپنے مشومہ عزائم میں کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ ملازمین کے دل میں کھوٹ نہیں۔ وہ انتہائی کوشش کر رہے ہیں کہ ملازمین میں انتشار اور سرکشی پیدا کر کے نظامِ حکومت کو مفلوج کر دیں۔ مجھے یقین ہے کہ ملازمین حکومت کی غالب اکثریت ان لوگوں کی فتنہ سامانیوں سے آگاہ ہے۔

(روزنامہ ڈان - ۱۳/۴/۴۸ - ایضاً)

ان بیانات پر تبصرہ کرتے ہوئے طلوع اسلام نے مئی ۱۹۴۸ء کے لمعات میں لکھا:-

اس میں مشبہ نہیں کہ ہمارے اربابِ حکومت کی تشفی بالکل درست ہے لیکن جیسا کہ ہم نے اپریل کی اشاعت میں بصراحت لکھا تھا، دشمنانِ پاکستان کی فتنہ انگیزوں کا علاج فقط اس قدر نہیں کہ عوام یا ملازمین سے کہہ دیا جائے کہ ان کی چالوں میں نہ آئیں..... اگر دشمنانِ ملک و ملت سرکاری ملازمین کو گمراہ کر رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کی سازشوں کا جال کہیں زیادہ وسیع ہو گا۔ ہمیں خوشی ہے کہ حکومت اس قدر ہوشیار ہے کہ اسے ایسی دشمنانِ پاکستان جماعتوں کا علم ہے لیکن ہم جانتا چاہتے ہیں کہ اس نے مدافعت کی کیا صورت اختیار کی ہے۔

لیکن حکومت نے نہ قوم کو کچھ بتانا تھا نہ بتایا۔ بایں ہمہ ہر حکومت اس دعویٰ کو بار بار دہراتی رہی کہ ملک میں پاکستان دشمن عناصر موجود ہیں۔ یہاں کی بعض سیاسی پارٹیوں کو پاکستان دشمن بیرونی حکومتوں کی طرف سے امداد ملتی ہے۔ حتیٰ کہ مسٹر ایس۔ بی۔ اخوان نے جو پہلے حکومتِ پاکستان کے اسٹیبلشمنٹ بیورو کے ڈائریکٹر جنرل تھے اور

اس کے بعد وزارت داخلہ کے سیکرٹری، اپنی ڈیٹاٹرمنٹ کے بعد یہ انکشاف کیا کہ یہ بات ان کے علم میں ہے کہ ملک کی بعض سیاسی پارٹیوں کو بیرونی ملکوں سے امداد ملتی ہے۔ اس دعوے کو پھر جنرل امرڈ خان نے (اپنی ڈیٹاٹرمنٹ کے بعد) دہرایا۔ طلوع اسلام نے، اپنی جولائی سنہ ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں اس نہایت اہم اور نازک مسئلہ کا بھرپور جائزہ لیا اور حکومت سے پُر زور الفاظ میں کہا کہ وہ خدا کے لئے اس غریب قوم کی حالت پر رحم کھائے اور اسے بتائے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے اور کون کون سے پاکستان دشمن عناصر مملکت کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔ لیکن حکومت نے اسے بھی آن سنی کر دیا۔ (طلوع اسلام - مئی سنہ ۱۹۵۶ء)

جب بھی کسی ذمہ دار شخصیت کی طرف سے اس قسم کا اعلان ہوا، ہم نے فوراً کہا کہ اس طرح کے مبہم اعلانات سے ملک کو فائدہ کے بجائے نقصان ہوتا ہے۔ آپ کو چاہیے کہ اہل پاکستان کو واضح طور پر بتائیں کہ یہ سازشی افراد یا گروہ کون سے ہیں تاکہ قوم ان سے محتاط رہے۔ یا کم از کم اتنا ہی بتا دیا جائے کہ حکومت نے اس باب میں کیا چارہ جوئی کی ہے اور کس کس قسم کی حفاظتی تدابیر اختیار کی ہیں۔ لیکن کسی نے نہ ان کی نشاندہی کی اور نہ ہی یہ بتایا کہ ان کے خلاف کیا کارروائی کی گئی ہے۔ البتہ اس قسم کے بیانات کا سلسلہ بدستور جاری رہا اور ہر نئے آنے والے نے اس نظم مریض میں اپنی طرف سے ایک آدھ بند کا اضافہ کر دیا۔ مثلاً جنوری سنہ ۱۹۵۶ء میں گورنر جنرل پاکستان نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا:-

ملک میں ایسی جماعتیں بھی ہیں جو اس سطح پر پہنچ چکی ہیں کہ وہ بیرونی جماعتوں سے سہارا نہ رکھتی ہیں اور انہیں اپنے ملک کے خلاف سالہ فراہم کرتی رہتی ہیں۔ ایسے افراد یا جماعتوں کے استیصال کے لئے حکومت سخت سے سخت اقدام پر توجہ بخائب ہوگی۔

(ٹائمز آف کراچی - ۲۷/۱۰ - بحوالہ طلوع اسلام - مارچ سنہ ۱۹۵۶ء)

اس کے دو ہی دن بعد، وزیر اعظم پاکستان نے مسلم لیگ کو نسل کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:- ملک میں ایسے عناصر موجود ہیں جو یاس، ناامیدی اور ہراسانی کے احساس کو عام کر رہے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ پاکستان کے استحکام اور سالمیت کو تباہ کر دیا جائے۔

(ڈان - ۳۰/۱۰ - بحوالہ طلوع اسلام - مارچ سنہ ۱۹۵۶ء)

اول سنہ ۱۹۵۶ء میں پولیس نے ہڑتال کر دی تو اس زمانے کے صدر مملکت نے اپنی فشری تقریر میں فرمایا:- پولیس کی یہ ہڑتال، ہڑتال نہیں تھی بلکہ صاف اور سیدھے لفظوں میں یہ بغاوت تھی۔ اور بغاوت بھی ایسے وقت میں جب پہاڑی مسلح افواج دشمن کے سامنے کھڑی ہیں۔ اور پاکستان میں معنوں میں سب سے بڑے خطرناک بحران کا سامنا کر رہا ہے۔ بہر حال میں ان تلخ حقائق کی یاد تازہ کرانا نہیں چاہتا۔ میں پولیس کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس کے لئے ان کے مقاصد اور جذبات محرکہ کچھ بھی ہوں۔ اور میں ان محرکات سے عجب واقف ہوں جو اس بغاوت کے پیچھے کار فرما تھے۔ (ملک میں) ایسے عناصر۔۔۔ تھے جو قریب ایک ماہ سے اس کے لئے مصروف کار تھے یہ ہڑتال اپنی ہنگامی طور پر نہیں ہو گئی تھی۔ ایسی چیزیں اتنے وسیع پیمانے پر یونہی ہنگامی طور پر رونما

نہیں ہو جایا کرتیں۔ بہر کیف ہم اس باب کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دینا چاہتے ہیں۔

(بحوالہ طلوع اسلام - اپریل ۱۹۶۲ء)

اگلے ذرا پہلے، اس وقت کے وزیر اطلاعات نے اخباروں کے نام ایک مکتوب میں لکھا:-

جو عناصر محب وطن نہیں انہوں نے مشرقی پاکستان کے واقعات سے منہ پاکر مغربی پاکستان کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی تحریک نڈ کر دی ہے۔ ان میں بعض عناصر کو بیرون ملک سے دولت اور راحت موصول ہو رہی ہے۔ یہ عناصر برصغیر میں کنفیڈریشن کے قیام یا مغربی پاکستان کے اندر علیحدگی کی باتیں کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ (بحوالہ طلوع اسلام - اپریل ۱۹۶۲ء)

اور آگے بڑھتے "گنگا اغوا کیس" کے سلسلہ میں، جسٹس نور العارفین کے زیر صدارت انکوائری کمیشن نے اپنی رپورٹ میں کہا تھا:-

یہ تمام ملزم دشمن کے ایجنٹ ہیں اور انہوں نے ۱۹۶۵ء سے ۱۹۶۱ء کے درمیان عرصہ میں بھارت اور پاکستان کے تعلقات خراب کرنے کے لئے متعدد سازشیں کیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ یہاں کے خفیہ راز، بالخصوص بری، بحری اور فضائی فوج کے خفیہ راز دشمن تک پہنچائیں۔

(نوائے وقت، مورخہ ۲۲ مارچ ۵ - بحوالہ طلوع اسلام - اپریل ۱۹۶۲ء)

جون ۱۹۶۲ء میں، صدر مملکت نے اپنی پریس کانفرنس میں اس راز کا افشا فرمایا کہ:-

حکومت کے پاس مفوض ثبوت موجود ہے کہ بعض اشخاص بیرونی قوتوں کے ایجنٹ کے طور پر ملک میں خلفشار اور انتشار مچاتے رہتے ہیں۔ بعض ممالک پاکستان میں سازشیں کرانے کے لئے مصروف جدوجہد ہیں۔ ہمارے پاس اس امر کی شہادت موجود ہے لیکن میں ان ممالک کا نام نہیں لینا چاہتا۔ (پاکستان ٹائمز، مورخہ ۲۲ مارچ ۶۲ - بحوالہ طلوع اسلام - اگست ۱۹۶۲ء)

اس کے ایک ماہ بعد، مسٹر ایس، کے، برقی نے ایک انٹرویو کے دوران فرمایا کہ:-

میں ایک ایسا شخص ہوں جو سیاسی معاملات کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں اور قطعی اور صحت طور پر سیاسی حالات اور واقعات کے ساتھ ساتھ ان اشخاص کے بارے میں بھی اظہار خیالات کر سکتا ہوں جو مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے الگ کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ لیکن اس کے باوجود میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں خاموش رہوں۔

(جنگ - مورخہ ۲۲ مارچ ۶۲ - بحوالہ طلوع اسلام - اگست ۱۹۶۲ء)

اس سے ایک ماہ پہلے، سندھ کے اس زمانے کے وزیر اعلیٰ نے اپنے ایک بیان میں اس راز کا انکشاف کیا کہ:-

سندھ دیش کا نعرہ لگانے والے بھارتی ایجنٹ ہیں۔ ان عناصر کی تحریک پورے طور سے پاکستان دشمن تحریک ہے اور اس تحریک کو بھارت سے مالی امداد مل رہی ہے۔ (طلوع اسلام - جون ۱۹۶۲ء)

اب آئیے مشرقی پاکستان کی طرف۔ مئی ۱۹۶۱ء میں، مولوی فرید احمد (مرحوم) نائب صدر جمہوری پارٹی مشرقی پاکستان نے لاہور میں بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

شیخ مجیب الرحمن - تاج الدین اور قمر الزمان کہ ۱۹۷۴ء میں غیر ملکیوں نے اپنا ایجنٹ مقرر کیا کہ وہ نظریہ پاکستان کو ناکام بنادیں۔ (طوبیخ اسلام - اکتوبر ۱۹۷۶ء)

اسی زمانے میں خان عبدالغنی نے انکشاف فرمایا تھا کہ۔

شیخ مجیب الرحمن نے ۱۹۷۵ء میں منعم خان کو مشورہ دیا تھا کہ وہ آزادی کا اعلان کر دے۔

(طوبیخ اسلام - اکتوبر ۱۹۷۶ء)

مشرقی پاکستان کا حادثہ و خونچکان ایسا کہ اب انگریز ہے کہ اس کا ذکر کرتے ہوئے بھی کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔ اس سلسلے میں اس سلسلہ میں مزید کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ بجز اس کے کہ سازشوں کا یہ سلسلہ اتنے عرصے سے جاری تھا لیکن کسی نے قوم کو بروقت یہ نہ بتایا کہ درمل کیا ہو رہا ہے! لیکن اگر کسی نے بتایا بھی تو پھر کیا ہوا؟ مئی ۱۹۷۴ء کی بات ہے کہ ماسکو ریڈیو کے حوالہ سے اخبارات میں ایک خبر گشت لگا رہی تھی کہ سی۔ آئی۔ اے کی طرف سے یہاں کی ایک جماعت کو اس قدر روپیہ ملا ہے۔ اس پر یہاں قیاس آرائیاں شروع ہوئیں تو نیشنل عوامی پارٹی کے جوائنٹ سیکرٹری، محی الدین احمد صاحب نے ڈھکا کہ کے ایک جاسٹ عام میں تقریر کرتے ہوئے ایک جماعت کا نام لے کر کہا کہ، سی۔ آئی۔ اے کی طرف سے اسے حال ہی میں اتنا روپیہ ملا ہے اور اس سے پہلے اتنا روپیہ۔ یہ خبر روزنامہ امروز کی ۱۲ مئی ۱۹۷۴ء کی اشاعت میں شائع ہوئی۔ ہم نے حکومت سے بتا کید کہا کہ وہ اس خبر کی باقاعدہ تحقیق کرے اور ملک کو حقیقت سے آگاہ کرے۔ (طوبیخ اسلام - جون ۱۹۷۶ء)

لیکن صدائے ہر خواست۔ یہ تو ۱۹۷۶ء کی بات ہے۔ اس کے بعد بھی یہاں نام لے لے کر کہا گیا کہ فلاں فیڈر یا فلاں جماعت کو فلاں بیرونی حکومت کی طرف سے مالی امداد ملتی ہے اور فلاں لیڈر یا پارٹی فلاں حکومت کی ایجنٹ ہے لیکن نہ تو کسی نے ایسا الزام لگانے والے سے کہا کہ وہ اس کا ثبوت پیش کرے اور نہ ہی جس کے خلاف الزام لگایا گیا تھا اس نے اس کی تردید کی۔ نہ ہی یہ معلوم ہو سکا کہ حکومت نے اس سلسلہ میں کوئی اقدام کیا ہے۔

اس سلسلہ میں کہنے کو ابھی بہت کچھ کہا جاسکتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں اس کی چنداں ضرورت نہیں۔ جو کچھ میں نے کہا ہے اس سے میرا مقصد یہ بتانا ہے کہ تشکیل پاکستان کے یومِ اول سے آج تک یہ آوازیں براہِ رسوائی دیتی رہیں کہ ملک میں بیرونی قوتوں کے آلہ کار ایجنٹ موجود ہیں جو اس میں خلفشار پیدا کرتے رہتے ہیں تاکہ یہ مہمکت مستحکم نہ ہونے پائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مہمکت کا نصف حصہ ہاتھ سے جاتا رہا اور باقی نصف جس قسم کے خطرات کے نرسے میں ہے ان سے ہر بھی خواہ پاکستان ہر اسان ہے۔ طوبیخ اسلام کی روزِ اقل سے یہ پکار رہی کہ حکومت اس باب میں ضروری تحقیقات کے بعد قوم کو حقیقتِ حال سے آگاہ کرے اور اگر کوئی فرد یا جماعت اس قسم کی سازش میں ملوث ہو تو اس کے خلاف مناسب کارروائی کرے۔ طوبیخ اسلام کی اس آواز کو دبانے کے لئے سازش یہ کی گئی کہ اسے اس قدر بدنام کر دیا جائے کہ اسے پڑھنا تو ایک طرف سمجھنا یہ جائے کہ اسے ہاتھ لگانے سے بھی ایمان جاتا رہے گا۔ اس کے متعلق مشہور کر دیا گیا کہ یہ منکرِ حدیث ہے۔ منکرِ سنت ہے۔ تین غاروں اور نوروزوں کا قائل ہے۔ ایک نیا فرقہ بلکہ ایک نیا مذہب ایجاد کر

رہا ہے۔ یہ سب بے بنیاد الزامات ہیں لیکن ان کا پراپیگنڈہ اس تسلسل اور شدت سے کیا گیا اور کیا جا رہا ہے کہ کوئی شخص ان کے متعلق کسی قسم کی تحقیق کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا۔ انہوں نے پرتیزی فرقہ کا ایک لیبل تراش رکھا ہے۔۔۔۔۔ یعنی اس فرقہ کا جس کا وجود ہی نہیں۔ انہوں نے جس کے خلاف کچھ کہنا یا کرنا ہو اس پر اس لیبل کو چپکا دیتے ہیں۔ اس سے وہ بوجہ اس قدر متوحش ہو جاتا ہے کہ اس کا سارا وقت اور توانائیاں اپنی صفائیاں پیش کرنے میں ضائع ہو جاتی ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ کہ پاکستان کے خلاف بیرونی طاقتوں کی سائنش کے خطرات نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور سمجھایا جاتا ہے کہ اسلام کے لئے خطرہ ایک ہی ہے اور وہ ہے طلوع اسلام۔

یہاں ایک اہم سوال سامنے آتا ہے۔ ہمارے ہاں پاکستان میں ایک فرقہ ہے جو اہل قرآن کے نام سے متعارف ہے۔ وہ حدیث اور سنت کا منکر ہے۔ تین نمازوں کا قائل ہے، اور اس کی غازی بھی باقی مسلمانوں سے بالکل مختلف ہے۔ اس کی الگ مسجد ہے اور وہ اپنے ان عقائد اور مسکب کی علانیہ تبلیغ کرتے ہیں۔ لیکن ہماری مذہبی پیشواثیت کی طرف سے ان کے خلاف ایک لفظ بھی سننے میں نہیں آتا۔ ان کی مخالفت ہوتی ہے تو طلوع اسلام کی طرف سے ان کے خلاف مضامین لکھے جی بھٹ شائع کئے ہیں تو کیا یہ بات تعجب انگیز نہیں کہ ہماری مذہبی پیشواثیت ان کے خلاف تو ایک حرف تک زبان پر نہیں لاتی اور طلوع اسلام، جو اس فرقہ کی اس شدت سے مخالفت کرتا ہے، اس کے خلاف منکر حدیث، منکر سنت، تین نمازوں، نوروزوں کا ڈھول پیٹا جاتا ہے! بادل قلعی یہ حقیقت سامنے آجائے گی کہ طلوع اسلام کے خلاف تین نمازوں اور نوروزوں کا پراپیگنڈہ عوام کے جذبات کو مشتعل کرنے کا حربہ ہے۔ اس کی مخالفت کی وجہ کچھ اور ہے۔ اور یہ معلوم کرنے کے لئے آپ کو تاریخ کے کچھ ورق پھیرنے کی طرف پلٹنے ہوں گے۔

جیسا کہ میں اکثر کہا کرتا ہوں، میں سنہ ۱۹۴۷ء کا پاکستانی ہوں جب علامہ اقبالؒ نے اپنے اللہ آباد کے خطبہٴ صدارت میں اس حقیقت کا اعلان کیا کہ اسلام ایک مذہب نہیں، ضابطہٴ زندگی ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی اپنی آزاد مملکت ہو۔ اس مملکت کا نظام قرآن مجید کی بنیادوں پر استوار ہوگا۔ یہ اعلان خود میرے ایمان کا تقاضا تھا، اس لئے میرا اس سے ہم نوا ہونا فطری امر تھا۔ جب قائد اعظمؒ نے علامہ اقبالؒ کے اس تصور کو عملی پیکر عطا کرنے کے لئے تحریک مطالبہٴ پاکستان کا اجرا کیا تو مذہبی پیشواثیت کی طرف سے اس کی سخت مخالفت ہوئی۔ قائد اعظمؒ نے ان لوگوں کی مخالفت کی مدافعت کا فریضہ میرے سپرد کیا اور اس مقصد کے لئے طلوع اسلام کا اجرا عمل میں آیا۔ قرآنی نظام مملکت میں نہ ملوکیت (یعنی سیکرٹریزم) باقی رہتی ہے، نہ مذہبی پیشواثیت اور نہ ہی نظام سرمایہ داری۔ علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ واضح الفاظ میں اعلان کرتے رہتے تھے کہ ان کے پیش نظر

ملائیث کے خلاف قرآن مملکت میں وہ قدر امت پرستانہ اسلام رائج نہیں ہوگا جس کی اجارہ دار ہماری مذہبی پیشواثیت ہے۔ ان کا ارشاد تھا کہ اس مجوزہ مملکت کے قیام کا مقصد آئیں یہ ہے کہ اسلام کو تقیہ کر لیں گے چٹکل سے چھڑا

جائے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے خطبہ الہ آباد سے بھی بہت پہلے مولانا اکبر شاہ (نجیب آبادی۔ مرحوم) کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھا تھا۔

آپ نے ٹھیکے لگائے کہ پیشہ ور مولویوں کا اثر سرسید احمد خاں کی تحریک سے بہت کم ہو گیا تھا مگر خلافت کمیٹی نے اپنے پولیٹیکل فتوؤں کی خاطر ان کا اقتدار ہندی مسلمانوں میں پھر قائم کر دیا۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی تھی جس کا احساس ابھی تک غالباً کسی کو نہیں ہوا۔ مجھ کو حال ہی میں اس کا تجربہ ہوا ہے۔ کچھ مدت ہوئی میں نے اجتہاد پر ایک انگریزی مضمون لکھا تھا جو پہلا ایک جلسہ میں پڑھا گیا تھا۔ انشاء اللہ شائع ہو گا۔ مگر بعض لوگوں نے مجھے کا فر کہا۔ بہر حال اس تمام معاملے کے متعلق مفصل گفتگو ہوگی جب آپ لاہور تشریف لائیں گے۔ ہندوستان میں بالخصوص آج کل بہت سمجھ سوچ کر قدم اٹھانا ہو گا۔

(انوار اقبالؒ - شائع کردہ اقبالؒ اکیڈمی - ۱۹۳۱ء)

انہوں نے ۱۹۳۲ء میں اپنے ایک بیان میں جو روزنامہ انقلاب (لاہور) کی ۲۳ مارچ کی اشاعت میں شائع ہوا تھا، قوم کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔

تمہارے دین کی یہ عظیم الشان بلند فطرتی، ملاؤں اور فیتہوں کے فرسودہ ادھام میں جکڑی ہوئی ہے آزاد کی چاہتی ہے۔ روحانی اعتبار سے ہم حالات و جذبات کے ایک قید خانے میں محبوس ہیں جو صدیوں کی مدت میں ہم نے اپنے گرد خود تعمیر کر لیا ہے اور ہم بوڑھوں کے لئے شرم کا مقام ہے کہ ہم نوجوانوں کو ان اقتصادی، سیاسی، بلکہ مذہبی بحرانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ بنا سکے جو زمانہ حاضر میں آنے والے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ساری قوم کی موجودہ ذہنیت کو یکسر تبدیل کر دیا جائے تاکہ وہ پھر نئی آرزوؤں، نئی تباؤں اور نئے نصب العین کی انگلی کو محسوس کرنے لگ جائے۔ (بحوالہ طلوع اسلام۔ مئی ۱۹۴۸ء)

انہوں نے اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ اس قسم کا انقلاب بڑی ذہنی جدوجہد کا متقاضی ہو گا۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہو گا کہ "اسلامی دنیا اس کی طرف غور کی روح کو لے کر آگے بڑھے۔ وہ غور جو اسلام کا سب سے پہلا تنقیدی اور حریت پسند قلب ہے۔ وہ جسے رسول اللہؐ کی حیاتیہ طیبہ کے آخری لمحات میں یہ کہنے کی جرأت نصیب ہوئی کہ "حسبنا کتاب اللہ" ہمارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے۔ (خطبات اقبالؒ)

اقبالؒ سے آگے بڑھ کر قاضی اعظمؒ کی طرف آئیے۔ انہوں نے ۵ فروری ۱۹۳۸ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی یونین سے خطاب کرتے ہوئے نوجوان طالب علموں سے کہا تھا۔

مسلم لیگ نے کم از کم ایک کام تو کر دیا ہے۔ اور وہ یہ کہ اس نے ہمیں مسلمانوں کے رجعت پسند عناصر

ملہ اقبالؒ اور علامہ ایک الگ، مستقل اور اہم موضوع ہے۔ اس پر میرا تفصیل سے لکھنے کا ارادہ ہے۔

کے چنگل سے چھڑا دیا ہے۔ اور اس خیال کو عام کر دیا ہے کہ جو لوگ خود غرضی کی مفاد پرستانہ کھیل کھیل رہے ہیں وہ قوم کے غدار ہیں۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اس لئے ہمیں اس ناخوش آئند عنصر (UNDESIRABLE ELEMENT) کی جگہ بند یوں سے آزاد کر دینا کہ جسے مولوی یا مولانا کہتے ہیں۔ میں یہ بات مولویوں کے پورے کے پورے طبقے کے متعلق نہیں کہتا۔ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو دوسروں کی طرح آزادی پسند اور مخلص ہیں۔ لیکن ایک طبقہ ایسا ہے جو (UNDESIRABLE) ہے۔ اب جو ہم نے حکومت برطانیہ کا نگرہ لیا۔ رجعت پسند طبقہ اور نام نہاد مولویوں سے اپنا پیچھا چھڑا لیا ہے تو میں اپنی قوم کے نوجوانوں سے اپیل کر رہا ہوں کہ وہ ہمارے طبقہ (سوال (غور توں) کو بھی آزادی دلائیں۔ یہ نہایت ضروری ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ ہم مغرب کی خواہیوں کی اندھا دھند تقلید کریں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہماری مستورات نہ صرف معاشرتی بلکہ ہماری سیاسی زندگی میں بھی ہمارے دوش بدوش چل کر ہمارا ساتھ دیں۔ (تقاریر قائد اعظم - حصہ اول - صفحہ ۷۷)

علامہ اقبالؒ نے پاکستان کی جدید ملکیت کے متعلق کہا تھا کہ اس کے نظام کے لئے ہمیں قرآن کافی ہوگا۔ قائد اعظمؒ نے سن ۱۹۲۷ء میں، حیدرآباد (دکن) میں، اس سلسلہ میں فرمایا کہ:-

اسلامی ملکیت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفائیت کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا واحد ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن مجید کے احکام ہی سیاست یا معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لئے آپ کو علاقہ اور ملکیت کی ضرورت ہے۔ (طلوع اسلام - اپریل ۱۹۷۷ء)

ان کی طرف سے اس کی وفاحت کے بعد، ان سے کہا گیا کہ جب آپ کی تحریک اسلامی بنیادوں پر استوار ہے تو مسلم لیگ زیادہ وفاحت اور تفصیل کے ساتھ اپنی حدود و حدود کی مذہبی تعبیر و تشریح کیوں نہیں کرتی۔ ان کے جواب میں قائد اعظمؒ نے جو کچھ فرمایا وہ بڑا غور طلب ہے۔ انہوں نے کہا کہ:-

وقت یہ ہے کہ جب اس جہد جہد کو مذہب سے تعبیر کیجئے تو ہمارے علماء کی ایک جماعت بغیر اس بات کے سمجھنے کے کہ کام کی نوعیت، تقسیم عمل اور اس کے اصلی حدود کیا ہیں، ان امور کو صرف چند مولویوں کا اجارہ خیال کر لیتی ہے اور اپنے حلقہ سے باہر، اہلیت و استعداد کے باوجود سمجھیں یا آپ ہیں، یعنی اپنے سوا کسی اور میں، اس خدمت کے سرانجام دینے کی کوئی صورت نہیں دیکھتی۔ حالانکہ اس منصب کی بجا آوری کے لئے جن اجتہادی صلاحیتوں کی ضرورت ہے، انہیں میں ان مولوی صاحبان میں (اللہ ماشاء اللہ) نہیں پاتا۔ اور (مشکل اندر مشکل یہ کہ) وہ اس مشن کی تکمیل میں دوسروں کی صلاحیتوں سے کام لیتے کا سلیقہ بھی نہیں رکھتے۔ (ایضاً)

یعنی قائد اعظمؒ اس خطرہ سے اچھی طرح آگاہ تھے کہ چونکہ مطالبہ پاکستان کی بنیاد اسلام پر ہے، اگر وہ مملکت حاصل ہو گئی تو یہ لوگ اسلام کے نام کو (EXPLOIT) کریں گے اور اس میں تقصیر کر لیں تو کوشش کریں گے، انہوں نے قوم کو اس خطرہ سے پہلے ہی وارننگ دے دی تھی۔ انہوں نے ۱۹۴۷ء کو دہلی میں مسلم یونیورسٹی کے کنونشن کے آخری اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا:-

اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہم کس مقصد کے لئے یہ لڑائی لڑ رہے ہیں، ہمارا نصب العین کیا ہے؟ ہمارا نصب العین تقصیر کر لیں نہیں۔ ہم تقصیر کر ٹیک اسٹیٹ بنانا نہیں چاہتے تھے۔

(تقاریر قائد اعظمؒ - جلد دوم - ص ۳۸۶)

یہ تھا مملکت پاکستان کا وہ تصور جسے علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ نے پیش کیا تھا اور جس کی مخالفت ہماری مذہبی پیشوا شیت کی طرف سے اس شد و مد کے ساتھ ہوئی تھی۔ اور یہی تھی ان کی طرف سے وہ مخالفت جس کی مدافعت کا فریضہ تحریک پاکستان کے دوران اس خاکسار کے سپرد کیا گیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس وقت بعض دوسرے گوشوں کی طرف سے بھی ان کے اعتراضات کا جواب دیا جاتا تھا لیکن اس کی عام نشر و اشاعت کا ذریعہ طلوع اسلام ہی تھا۔ طلوع اسلام نے یہ لڑائی کس ہمت اور استقلال سے لڑی، اس کی شہادت، اس کے اس زمانے کے فائلوں سے مل سکتی ہے جو آج بھی موجود ہیں۔ اس جنگ میں ہماری مذہبی پیشوا شیت کو شکست ہوئی اور پاکستان وجود میں آ گیا۔ اس سے آپ اندازہ فرما لیجئے کہ طلوع اسلام کے متعلق ان حضرات کے جذبات کس قسم کے ہو سکتے ہیں؛ لیکن یہ تو اس جنگ میں پہلا محاذ تھا۔ اب اگلے محاذ کی طرف آئیے۔

علامہ اقبالؒ، تشکیل پاکستان سے بہت پہلے دنیا سے تشریف لے جا چکے تھے۔ قائد اعظمؒ جن حالات میں پاکستان تشریف لائے ان کا کچھ اجمالی سا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے۔ ان حالات میں انہیں فرصت کہاں تھی کہ وہ مملکت کے آئینی پہلوؤں کے متعلق کچھ سوچ اور کر سکتے۔ لیکن، جس مسئلہ کا ابھی ذکر کیا جا رہا تھا، ان کے نزدیک اس کی اہمیت اس قدر تھی کہ اپنی پے پناہ مصروفیات کے باوجود انہوں نے اس کی وضاحت کر دی۔ انہوں نے فروری ۱۹۴۸ء میں، اہل امریکہ کے نام اپنے براڈ کاسٹ میں کہا:-

پاکستان کی مجلس آئین ساز نے ابھی پاکستان کا دستور مرتب کرنا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس کی آخری شکل کیا ہوگی۔ لیکن مجھے یقین

تقصیر کر لیں نہیں ہوگی

ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا آئینہ دار جمہوری انداز کا ہوگا۔ اسلام کے یہ اصول آج بھی اسی طرح عملی زندگی پر منطبق ہو سکتے ہیں جس طرح وہ تیرہ سو سال پہلے ہو سکتے تھے۔ اسلام نے ہمیں وحدت انسانی اور ہر ایک کے ساتھ عدل و دیانت کی تعلیم دی ہے۔ آئین پاکستان کے مرتب کرنے میں جو ذمہ داریاں اور فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں ان کا ہم پورا پورا احساس رکھتے ہیں۔ کچھ بھی ہو یہ مسئلہ بات ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تقصیر کر لیں نہیں ہوگی جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ (بزرگم خورشید) خدائی مشن کو پورا کریں۔

(تقاریر بہ حیثیت گورنر جنرل - ص ۱۰۷)

اس میں دو ایک نکات بڑے اہم ہیں (اڈل) قائد اعظمؒ نے یہ اعلان بہ حیثیت گورنر جنرل پاکستان کیا تھا۔ (دوم) یہ اعلان ان مذہبی عناصر کے خلاف جو تھکيا کر لیسے قائم کرنے کے لئے پاکستان آگئے تھے، کھلا ہوا چیلنج تھا۔ اور تیسرے یہ کہ اس میں اہل امریکہ کو خاص طور پر مخاطب کیا گیا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ قائد اعظمؒ نے کیونسٹوں کو بھی سخت وارننگ دی تھی لیکن اس وارننگ کی ضرورت کہ یہاں تھکيا کر لیسے قائم نہیں ہوں گے، امریکہ جیسے سرمایہ داری نظام کے حامل ملک کو بدرجہ اولیٰ تھی۔ اسی لئے انہوں نے اس کے لئے امریکہ کو بالخصوص مخاطب کیا تھا۔

قائد اعظمؒ مذہبی پیشواہیت کو یہ چیلنج دے کر دنیا سے تشریف لے گئے اور ان کے بعد اس محاذ آرائی کا قرعہ بار دیگر طلوع اسلام کے نام پڑا۔ یہ نزاع، پاکستان میں قرآنی نظام مملکت اور تھکيا کر لیسے کے درمیان تیس سال سے جاری ہے، جس کا مقابلہ طلوع اسلام یکہ و تنہا۔ بے یار و مددگار۔ بے سازد سامان، محض اپنے جذبہ ایمان کے زور پر، کئے چلا جا رہا ہے۔ اس سے آپ سمجھ لیجئے کہ مذہب پرست طبقہ کی طرف سے میرے خلاف جو بے بنیاد پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے، اس کا جذبہ محرکہ اور غرض و غایت کیا ہے؟

جیسا کہ میں ابھی لکھا ہے، یہ نزاع میرے خلاف ذاتی پرکاش پر مبنی نہیں۔ یہ درحقیقت تھکيا کر لیسے نظام اور قرآن نظام کے درمیان نزاع ہے۔ میں تو صرف قرآنی نظام عام کرنے کا ذریعہ ہوں۔ میری مخالفت اسی جہت سے جو نہ ہی ہے۔ انہوں نے قرآن کی آواز پر ذرائع ابلاغ کے تمام دروازے بند کر رکھے ہیں۔ ان میں سے بعض کو روپیہ کے بل بوتے پر خریداجاتا ہے اور جو خریدے نہیں جاسکتے انہیں مختلف حربوں سے ہراساں کیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ میرا کوئی مضمون یا مکتوب کسی اخبار یا مجلہ میں چھپ نہیں سکتا۔ ہمارے ادارے میں عید میلاد النبیؐ جشن نزول قرآن۔ علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ کی برسیاں اور سالگرہیں۔ یوم پاکستان۔ یوم آزادی۔ یوم مجاہدین وغیرہ پر تقاریب منائی جاتی ہیں لیکن ان میں سے کسی اجتماع کی کوئی رپورٹ کہیں شائع نہیں ہوتی حتیٰ کہ

میرے ہفتہ واری درس قرآن مہمد کے اعلان کی اشاعت کے لئے بھی ہزار رشواروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا تو خیر ذکر ہی کیا، ملک میں علامہ اقبالؒ، قائد اعظمؒ، تحریک پاکستان کے سلسلہ میں آئے دن تقریبات منائی جاتی ہیں۔ جلسے کئے جاتے ہیں۔ ان میں کبھی آپ نے میرا نام نہیں دیکھا ہوگا، حالانکہ (میں) تعلقی کے طور پر نہیں بلکہ ایک امر واقعہ کے اعتبار سے عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ) ملک میں اب بہت کم ایسے حضرات ہوں گے جنہوں نے پیغام اقبالؒ، نظریہ پاکستان، دو قومی نظریہ، اسلامی مملکت کے تصور وغیرہ کی نشر و اشاعت کو میری طرح زندگی کا مشن قرار دے رکھا ہو یا جو تحریک پاکستان کے رفعا کار اور عینی شاہد ہوں۔ تحریک پاکستان کی پوری تاریخ میرے سینے میں ہے۔ کیونکہ میں اس میں شریک رہا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود خاص احتیاط برتی جاتی ہے کہ ان تقاریب میں، میں نہ بار پاسکوں۔ یہ کچھ اتفاقیہ نہیں ہو رہا۔ ایک خاص اسکیم کے تحت منظم طور پر کیا جا رہا ہے۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ ان لوگوں کی طرف سے اسلام اور پاکستان کے خلاف جو سازش کی جا رہی ہے، وہ بے نقاب ہونے پائے۔ لیکن یہ ان کی کوتاہ بینی اور

خود فریبی ہے۔ وہ ان تدابیر سے میرے ہاتھ کو تو اپنے نقاب تک پہنچنے سے روک سکتے ہیں، نہ ان کے ہاتھ کو نہیں روک سکتے۔ اس کے ہاتھ بڑے لمبے ہوتے ہیں۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ ان ہاتھوں نے کس طرح انسانوں کے

خود ساختہ نظاموں کی بنیادیں متزلزل کر دی ہیں۔ اس لئے قرآن کی آواز نہ کبھی رکھی ہے، نہ رکھے گی۔

پہلی کتاب مستوری ہزارند چودہ بندی، تہذیب سر ہزارند

خدا نے علیم و بصیر نے بہت پہلے بتا دیا تھا کہ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْاَارِ وَالْقَهْبَانِ لَيَبْتَغُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصْنَعُوْنَ سَبِيْلَ اللّٰهِ (سجہ)۔ یاد رکھو! ان علماء و مشائخ (نہ بھی پیشواؤں) کی اکثریت کا یہ عالم ہے کہ یہ لوگوں کا مال ناجائز طور پر کھا جاتے ہیں اور انسانیت کو خدا کی طرف لے جانے والے راستے میں روک بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں..... لیکن، سَأَصْفِيْكَ عَنْ اٰیَاتِ الْمَنِيْ جُوْنٍ يَّتَكَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَغْنِي الْاَرْضَ..... (سجہ) "یہ لوگ جو حق کو چھوڑ کر، اپنی کبر پائی کی دھاک بٹھانا چاہتے ہیں، انہیں راستے سے ہٹا دیا جائے گا اور یہ سب خدا کے قانون کی رو سے ہوگا۔ قانون خداوندی کے ان دیکھے و محسوس کردمانے کے تقاضے کہا جاتا ہے جن کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکتی۔ اس کے سامنے نہ کوئی فرعون ٹھہر سکتا ہے نہ ہامان۔ نہ سامری اس کے راستے میں حائل ہو سکتا ہے نہ قارون۔ وَاللّٰهُ مُتَعَدِّیْ نُوْرًا وَ لَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ (سجہ)۔ اس نزاع میں میرے پیش نظر کوئی ذاتی مفاد نہیں۔ تشکیل پاکستان کے وقت، قائد اعظم نے، اندر و عاطفت مجھ سے فرمایا تھا کہ جس مملکت کے قیام کی خاطر تم نے اس قدر جدوجہد کی تھی وہ اب جو فقیہ ایزدی، وجود میں آگئی ہے اس میں تم جو منصب لینا چاہو اس کی نشاندہی کرو۔ میں نے ان کی اس نوازش خسروانہ کا دلی مشکور ادا کرتے ہوئے عرض کیا کہ میں نے تحریک پاکستان میں جو حقیر سی خدمات سر انجام دی تھیں وہ ایک دینی فریضہ کی ادائیگی تھی جس کا میں کوئی صلہ یا معاوضہ نہیں لینا چاہتا۔ میں جس کرسی پر ہندوستان میں بیٹھا تھا، اسی پر پاکستان میں بیٹھوں گا۔ چنانچہ میں اسی کرسی پر بیٹھا اور اسی سے دینا ٹرمٹ لے لی۔ میں نے یہاں نہ کوئی الاٹ منٹ لی۔ نہ لائسنس۔ نہ پرمٹ۔ نہ کوئی جائداد کھری کی۔ نہ دولت سمیٹی۔ نہ کوئی سیاسی پارٹی بنائی۔ نہ عملی سیاسیات میں حصہ لیا۔ نہ کوئی مذہبی فرقتہ پیدا کیا۔ نہ عام مسلمانوں سے الگ کوئی مذہبی راہ تراشی۔ ایک سیدھے سادے مسلمان کی طرح دو دیشاندہ زندگی بسر کی اور اس مقصد کے حصول کے لئے بساط بھر مسلسل جدوجہد کرتا رہا جیسے میں، خدا کی طرف سے عائد کردہ، اپنا دینی فریضہ سمجھتا ہوں۔ یعنی پاکستان میں قرآنی نظام کا قیام۔ میں جانتا ہوں کہ قرآنی نظام کی دعوت کتنی بڑی انقلابی دعوت ہے اور اس کے داعی کی راہ کیسے ہمت شکن تصادمات اور حوصلہ فرسا مشکلات سے بٹی ہوتی ہے۔ مجھے اس کا پورا پورا احساس ہے کہ (جیسا کہ میں اس سے پہلے بھی کئی بار کہ چکا ہوں)۔

ایک انقلابی کی راہ

دنیا میں جو شخص مرقبہ عقائد و نظریات کی تائید کے لئے اٹھتا ہے، بغیر تحقیق کے کہ وہ صیح ہیں یا غلط، اس کے لئے زندگی کی راہیں بڑی آسانیں اور خوش خرامیوں کی راہیں ہوتی ہیں۔ ہر وادی کھشاں بار اور ہر گوشہ زعفران زاد۔ وہ جب پہلے دن اپنی آواز بلند کرتا ہے، تو لاکھوں کروڑوں انسانوں کو اپنا ہم نوا پاتا ہے۔ وہ، جب اوپر جہاں اپنے سامعین سے خطاب کرتا ہے تو ان میں سے ہر متنفس..... یہ سمجھتا ہے کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے!

وہ جب ان شوارٹ رسوم و مسالک کی تائید میں (بڑی خلیش) دلائل و براہین پیش کرتا ہے۔ اور دنیا میں کوئی عقیدہ اور تصور ایسا ہے جس کے حق میں عقل حیلہ جو، دلائل نہیں تلاش سکتی۔۔۔ تو عوام کا گرد و غم اُسے اپنے مہم کا سب سے بڑا مفکر قرار دیتا ہے۔ وہ جس طرف سے گزرے، ہزاروں انسان اس کے پیچھے چلتے ہیں۔ اس طرح وہ ان کا مسئلہ لیڈر بن جاتا ہے۔ عقیدت مند اس کے لئے دیرہ دل فرس راہ کر سکتے اور اس کے حضور سر نیاز خم کرتے ہیں۔ ہر طرف سے اس پر چھوڑوں کی بارشیں ہوتی ہیں۔ ہر سمت سے ”زندہ باد“ کے ٹلک برس نروں سے اس کا استقبال کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے دنیا بھر کے سامان حاجت و آسائش مہیا کیا جاتے ہیں۔ متبعین اس کے جلو میں اور خدام اس کی بارگاہ میں دست بستہ ایستادہ رہتے ہیں۔ اس کے سب کام بلا مزد و معاوضہ ہوتے ہیں، کیونکہ ہر متعقد اس کی خدمت کو موجب ہزار ثواب اور باعث صد ہزار سعادت سمجھتا ہے۔ وہ جس شخص یا گروہ کو اپنا حریف خیال کرتا ہے اسے کچلنے کے لئے اس سے زیادہ کچھ نہیں کرنا پڑتا کہ اسے باطل پرست اور فتنہ پرداز قرار دے کر اس کی مخالفت کو ”جہاد فی سبیل اللہ“ سے تعبیر کر دے اور اس طرح عوام کے جذبات کو اس کے خلاف مشتعل کرتا رہے۔ اس مہم کے سر کرنے کے لئے دولت کے ڈھیر اس کے قدموں میں لگ جاتے ہیں اور رضا کاروں کی جماعتیں اس کے اشارہ پر جہان تک دینے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں۔ اب وہ مفکر کے ساتھ مجاہد بھی بن جاتا ہے اور ایک مہیب قوت کا مالک۔ اسی قوت کے بل بوتے پر وہ دوسروں کو ڈرا کر دھمکا کر اپنے سب کام نکالنا رہتا ہے۔ ارباب سیاست و اقتدار (خواہ وہ ملک کے اندر چلے یا بیرونی سلطنتوں سے متعلق) یہ دیکھ کر کہ اس کا عوام پر کس قدر اثر ہے، اس سے روابط اور مراسم قائم کرنے میں اپنے مفاد مضمر دیکھتے ہیں۔ اس طرح اسے مذہبی راہ نما ہونے کے ساتھ سیاسی اقتدار بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور بے پناہ دولت بھی، جس کے بل بوتے پر وہ جو جی میں آئے کرتا اور کرتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس اس شخص کی حالت پر غور کیجئے جو عوام کی دھم میں بہنے کے بجائے زمانے کے دھارے کا رخ صحیح سمت کی طرف موڑنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ وہ مروجہ عقائد اور موروثی نظریات میں سے ایک ایک کو لیتا ہے اور انہیں عزیز متبدل معیار (قرآن مجید) پر پرکھ کر، حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دیتا ہے۔ وہ جب عوام کے کسی غلط عقیدہ یا مسدک کے خلاف لب کشائی کرتا ہے تو بھری محفل میں اپنے آپ کو تنہا پاتا ہے۔ اس کا کوئی محرم اور کوئی سمجھتا نہیں ہوتا۔ اسے کوئی ایک ساتھی بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اس کی تائید کے لئے اس کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔ وہ تنہا اٹھتا ہے۔ تنہا چلتا پھرتا ہے، اور اس تنہائی سے گھبرا کر اپنے رتبے سے فریاد کرتا ہے کہ:۔۔۔

عزیم در میان محفل خویش تو خود گویا کہ گویم مشکل خویش
اذن رسم کہ پہانم شود فاش غم خود را نگویم بادل خویش
وہ اپنے پیغام کو لے کر، کوہ کو، وہ بدہ، قرۃ بہ قرۃ پھرتا اور ہر ایک سے کہتا ہے کہ:۔۔۔
ہیا و دیگر ایں جاودہ سخندانے غریب شہر سخن دئے گفتنی دارد

لیکن کوئی اس کی آواز پر کان نہیں دھرتا۔ وہ تھک کر بیٹھ جاتا اور گہری سوچ میں ڈوب کر اپنے آپ سے کہتا ہے کہ :

من شاید غشیی آدم از عالم دیگر !

لیکن اس کے پیغام کی صداقت اور اس صداقت پر اس کا یقین محکم اسے مایوس نہیں ہونے دیتا۔ وہ پھر اٹھتا ہے اور باندازِ دیگر اپنا پیغام دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ کچھ لوگ اس کے قریب آتے ہیں اور اس کی بات میں ہاں ملاتے ہیں۔ لیکن وہ انہیں متنبہ کرتا ہے کہ اس راستے پر سوچ سمجھ کر قدم رکھنا۔ میری ہم نوائی دنیا بھر سے لڑائی مول لینے کے مرادف ہے۔ وہ ان سے کھلے الفاظ میں کہتا ہے کہ :

زمرغان چمن نا آستنائیم بشاخ آشیاں تنہا سزائیم
اگر نازک دل از من کراں گیر کہ خونم می تراود از ندرائیم !

وہ اپنے پیغام کو اسی طرح دہرائے چلا جاتا ہے تا آنکہ وہ (پیغام) فضا میں اپنے نقوش مرتب کرنے شروع کر دیتا ہے۔ اس سے ان لوگوں کو خطرہ محسوس ہوتا ہے جو اس کی اس انقلابی دعوت میں اپنی مفاد پرستیوں کی تباہی دیکھتے ہیں۔ وہ اس کی مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ مخالفتوں کے اس جہوم کے مقابلہ میں اپنے آپ کو تنہا پاتا ہے اور اپنے اللہ سے دعا کرتا ہے کہ :

یا پرستارانِ شب دارم ستیز باز روغن در چسپارِ غم من بریز

حضراتِ انبیاء کرامؑ دنیا میں سب سے بڑے داخلی انقلاب ہوتے تھے۔ وہ ہر حاضر و موجود کو، خواہ اس کے ساتھ کتنی ہی مقدس نسبتیں کیوں نہ وابستہ ہوں، تنقیدی نگاہ سے دیکھ کر مستقل اقدار کی کسوٹی پر پرکھتے اور جو کچھ اس پر پورا نہ اترتا اس کے متعلق اپنی قوم (حتیٰ کہ خود اپنے اہل فاندان تک) سے برملا کہہ دیتے کہ : **مَا هَلْ لَّكَ الشَّامِلُ الْمَسِيحِيُّ أَنْتُمْ تَهَامَا كِفُونَ** (۱/۲۶) وہ انہیں ٹوٹا کر کہتے کہ : **أَفَتُكْفِرُونَنَا تَعْبُدُونَا**۔ (۲/۲۶)

سلسلہ انبیاء کرامؑ، نبی اکرمؐ کی ذاتِ اقدس و اعظم پر پہنچ کر ختم ہو گیا۔ لیکن جس آسمانی انقلاب کی طرف وہ دعوت دیتے تھے، وہ قرآن کی شکل میں قیامت تک باقی رہے گا۔ لہذا اب دعوتِ انقلابِ علیؑ منہاجِ نبوت کے معنی ہیں، دعوتِ اِلَى الْقُرْآن۔ رسول اللہؐ نے جب قرآن کی طرف دعوت دی تو ہر طرف سے اس آواز کی مخالفت ہوئی۔ انہی مخالفین میں وہ اہل کتاب بھی تھے جن کے لئے یہ آواز نئی نہیں تھی۔ انہیں حضورؐ بار بار کہتے کہ : **مَا كُنْتُ بِدَعَا وَصَّي الْمُرْسَلِ** (۳/۶) میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں۔ نہ ہی جو کچھ میں کہتا ہوں وہ کوئی نئی بات ہے۔ **بَلْ مِثْلَ مَا بَدَأَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا** (۳/۶) یہ اسی مسدک کی طرف دعوت ہے جسے تمہارے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ نے پیش کیا تھا۔ اس لئے **لَا تَكُونُوا أَقْدَىٰ كَافِرِينَ** (۳/۶) تمہیں تو یہ زیب نہیں دیتا کہ تم ہی سب سے پہلے اس دعوت سے انکار کر دو اور اس کی مخالفت پر اتر آؤ۔ لیکن ان دلائل و براہین کو کون سننا تھا؟ انہوں نے مخالفت کی اور جی بھر کر مخالفت کی۔

حضور کے بعد، بعینہ یہی صورت ہر اس داعی انقلاب کے ساتھ پیش آئے گی جو قرآن کی طرف دعوت دینے کے لئے اٹھے گا۔ وہاں مخالفت سابقہ اہل کتاب کی طرف سے تھی۔ اب وہی مخالفت خود مسلمانوں کی طرف سے ہوگی، حالانکہ یہ اٹھتے بیٹھتے اسی قرآن کو زندگی کا واحد منابطہ قوانین اور خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی آخری اور مکمل ہدایت بھی کہتے ہیں۔ یہ بات بظاہر بڑی تعجب انگیز اور حیرت افزا نظر آتی ہے کہ ایک قوم ایک کتاب پر ایمان کی مدھی ہو لیکن جب اسے اس کتاب کی طرف آنے کی دعوت دی جائے تو وہ اس دعوت کی شدید ترین مخالفت کرے۔ اس مخالفت میں ہر اول دستہ مذہبی پیشواؤں راجا ورہبان کا ہوتا ہے۔ کیونکہ آسمانی انقلاب کی زد سب سے پہلے انہی پر پڑتی ہے۔

ان حالات میں آپ اندازہ لگا لیجئے کہ ایک داعی الی القرآن کو کس مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ کس طرح ان تمام آسائشوں اور راحتوں سے محروم رہ جاتا ہے جو دین عامہ کی تائید کرنے کی صورت میں پکے ہوئے پھل کی طرح ان خود اس کی جھولی میں آگرنی تھیں۔ وہ صرف ان آسائشوں اور راحتوں کا سے محروم نہیں رہتا بلکہ ہر طرف سے ہدف طعن و تشنیع اور مورد سب و شتم بھی بنتا ہے۔ یہ سب اس جہم کی پاداش ہیں کہ: **وَتَأْمُرُوا بِالْعَدْلِ وَنُفِیْضِ الْمَالِ**۔ وہ کہتا ہے کہ رب صرف اللہ ہے۔ اور **إِشْبَعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَیْكُمْ مِنْ تَرَاتُیْمِهِ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِیَاءَ** (سے) صرف اسی کا اتباع کرو۔ جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل ہوا ہے۔ اس کے سوا کسی کارساز کا اتباع مت کرو۔ میری دعوت یہی ہے اور اسی کی پاداش میں میرے ساتھ وہ کچھ ہو رہا ہے جو ہر داعی انقلاب کے لئے مقدر ہے۔

لیکن میں نے نہ اس مخالفت کا کبھی کوئی اثر لیا۔ نہ اس سے پریشان ہوا۔ نہ مایوس۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ انسان پریشان ان مشکلات کی وجہ سے ہوتا ہے جو کسی ایسے پروگرام کی پیدا کردہ ہوں جسے اس پر زبردستی لا دیا گیا ہو اور اس سے پیچھا چھڑانا اس کے لئے ممکن نہ ہو۔ جس ملک کو انسان خود اپنی مرضی سے اختیار کرے اور جس وقت جی چاہے اسے چھوڑ سکے، اس کے راستے میں آنے والی مشکلات اور مصائب سے تنگ پڑنے یا نہ پڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے، قرآنی نظام کا قیام میرا جزو ایمان اور میری زندگی کا وہ مقصد اور مشق جسے میں نے اپنے دل و دماغ کی کامل رضامندی سے، فریضہ خداوندی کے طور پر، بطیب خاطر اختیار کر رکھا ہے۔ اس لئے اس کار راہ میں آنے والی مشکلات سے حوصلہ ہارنے یا دل برداشتہ ہونے کے معنی کیا؟ یہاں تو ہر مشکل کے سامنے آنے کے وقت تدبیر عمل یہ ہوتا ہے کہ: **إِنَّا لِلّٰهِ وَأَنَا لَیْهِ دَاجِعُونَ**۔ میں نے اپنے آپ کو اللہ کے مقرر کردہ مقصد کے حصول کے لئے وقف کر رکھا ہے اس لئے میرا ہر قدم اسی منزل کی طرف اٹھے گا۔ یہاں تو کیفیت یہ ہے کہ۔۔۔ بڑھتا ہے اور ذوق گمنہ یاں سزا کے بعد۔۔۔ پھر، اس کے ساتھ میرا کوئی ذاتی مفاد بھی وابستہ نہیں کہ اس کے نقصان کے احساس سے مجھے پریشانی لاحق ہو۔ اس لئے، اجازت دیجئے کہ میں، اس مرد قلندر کی ہم نوائی میں، جس نے صد براہِ دل کے بعد پہلی مرتبہ قرآنی نظام زندگی کا تصور پیش کیا تھا، یہ کہنے کی

جرات کر دل کہ

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں میگنے بھی ناخوش
مشکل ہے کہ اک بندہ حق بین دحق اندیش
ہوں آتش فرد کے شعلوں میں بھی خاموش
نہی ابد مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند
میں نہ ہر پہاڑ کو کبھی کہ نہ سکاقتند
خاشاک کے تودے کو کہے کوہ دماوند
میں بندہ مومن ہوں نہیں دانہ اسپند
آزاد گرفتار وہی کیسہ و غور سند

ہر حال میں میرا دل سب سے قید ہے حسد

کیا چھینے گائے سے کوئی ذوق شکر قد

باقی رہا کہ یکن مالوس نہیں ہوں تو اس کی وجہ بھی ظاہر ہے۔ ہم مالوس اس وقت
ہوتے ہیں جب ہم اپنے اوپر از خود ایسی ذمہ داری عائد کر لیتے ہیں جو

نہ پریشاں نہ مالوس

در حقیقت ہماری ذمہ داری نہیں ہوتی اور جب وہ ذمہ داری پوری نہیں ہوتی تو ہم مالوس ہو جاتے ہیں۔
ہم تو ایک طرف، اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم سے فرمایا تھا کہ: لَيْسَ عَلَيْنَا هَذَا أَهْلًا (۲/۲۲۶)
”تیرا فریضہ اتنا بھگے کہ تو انہیں بتا دے کہ صمیم راستہ کونسا ہے؟ انہیں اس راستے پر چلانا تیری ذمہ داری
نہیں۔“ میری ذمہ داری یہ نہیں کہ میں یہاں قرآنی نظام قائم کر کے رہوں۔ میری ذمہ داری اتنی ہے کہ میں بتا دوں
کہ قرآنی نظام کیا ہے اور وہ کس طرح قائم ہو سکتا ہے۔ جہاں تک میری اس ذمہ داری کا تعلق ہے، میں مطمئن ہوں
کہ میں نے اسے، اپنی بساط کے مطابق پوری طرح ادا کیا ہے (اور کئے چلا جا رہا ہوں) میں گذشتہ پچاس سال
سے، قرآنی شکر کے سمجھنے اور سمجھانے میں مصروف ہوں۔ میں نے اپنی زندگی کا ایک ایک سانس اس کے لئے
وقف کر رکھا ہے۔ اور اس احساس سے میرا سر نیاز بدرگاہ رب العزت جھک جاتا ہے کہ میں نے قرآنِ خالص
کے سلسلہ میں انفرادی طور پر جتنا کچھ مرتب اور مدون کر دیا ہے ہماری ہزار سالہ تاریخ میں اس کی مثال
نہیں ملتی۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ فکر قوم کے سمجھنے سوچنے والے طبقہ کے دل و دماغ میں
جس کثرت اور سرعت سے گھر کئے جا رہی ہے۔ اس کی مجھے توقع ہی نہ تھی۔ جب میں نے یہ آواز بلند کی تھی تو
میں بالکل تنہا تھا۔ اور اب بتوفیقِ الٰہی یہ آواز پاکستان ہی میں نہیں، بیرونی ممالک تک کے گوشے گوشے میں
وجہ فردِ عیدہ دول ہو رہی ہے۔ کیا یہ حقیقت، مالوس پیدا کرنے کا باعث ہے یا نازہ تناؤں اور نئے دلوں
کی بہار آفریں دنیا کے دروازے کھولنے کا موجب! میری عمر بھر کی جگر کا دیوں اور دلسوزیوں کا جذبہ محرکہ
ایک شدید احساس ہے جو مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی اس فریضہ کی ادائیگی سے غافل نہیں ہونے دیتا۔ قرآنِ کریم نے
اپنے مضمون محاکاتی انداز میں بتایا ہے کہ قیامت کے دن، ہر قوم بارگاہِ خداوندی کے سامنے سے گذرے گی اور
اس کا سربراہ اس کا تعارف کرائے گا۔ جب ہماری قوم کی باری آئے گی تو ہمارے رسول (نبی اکرم) ہمارا تعارف
ان الفاظ میں کرائیں گے۔

وَقَالَ الرَّسُولُ يَرْبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُومًا - (۲/۲۵۶)

اور رسول کہے گا۔ اے میرے رب! یہ میری قوم ہے جس نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔

یہ آیت جلیلہ جب بھی میرے سامنے آتی ہے میرے پسینے چھوٹ جاتے ہیں۔ میں تڑپ اٹھتا ہوں۔ میری انتہائی آرزو اور کوشش ہوتی ہے کہ قرآن کے ساتھ وابستہ رہ کر زندگی گزار دوں۔ شاید اس طرح میرا شمار اُس گروہ میں نہ ہو جس کے متعلق حضور نبی اکرم خدا سے اس طرح شکا بہت کریں گے۔ یہ ہے وہ احساس جو مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی تسک بالقرآن سے غافل نہیں ہوتے دیتا۔

اب دہیہ سوال کہ پاکستان میں قرآنی نظام کا قیام عمل میں نہیں آسکا، تو یہ چیز (معاذ اللہ) قرآنی نظام کی ناکامی کی دلیل نہیں۔ قرآن مجید کے متعلق قرآن مجید کے دالے نے کہہ رکھا ہے کہ یہ ضابطہ و حیات، مکمل بھی ہے۔ غیر متبدل بھی اور محفوظ بھی۔ اور اسے تمام نظام جہائے عالم پر غالب آکر رہنا ہے۔ انسانوں کے خود ساختہ نظاموں کو اصولی طور پر تین شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ — ملکیت یا سیکورازم (یعنی انسانوں کے وضع کردہ قوانین کی کھلی کھلی حکومت) — مٹیا کرہی (یعنی انسانوں کے وضع کردہ قوانین کی خدا کے نام کی آڑ میں حکومت)۔ اور نظام سرمایہ داری۔ دنیا رفتہ رفتہ ان تینوں نظاموں سے تنگ آتی جا رہی ہے اور ان خود ساختہ ستونوں کو خود اپنے ہاتھ سے منہدم کئے چلی جاتی ہے۔ ان میں سے ہر ستون کے گرنے سے، قرآنی نظام کے لئے راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہمیں قرآنی نظام کی کامیابی کے متعلق، کسی خاص خطہ، زمین یا تاریخ کے کسی خاص دور کے حوالے سے نہیں سوچنا چاہیئے۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ عالمگیر انسانیت کا رخ کس سمت کو ہے۔ اس خدانے جو اقوام و ملل کے اختفا و بقاء سے بے نیاز اور زمان و مکان کی حدود و قیود سے بلند و بالا ہے، واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ:-

إِنْ تَتُوبَا إِلَىٰ مَتَابَدِلٍ قَوْمًا غَيْرَكُمْ تَعْرِفُوهُ ۚ أَمَّا لَكُمْ (۲۷)

اگر تم نے قرآن سے اعراض برتاؤ تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے آئے گا اور وہ تمہارے جیسی نہیں ہوگی۔

قرآن کریم نے یہاں کہا ہے کہ جو قوم تمہاری جگہ لے گی (یعنی قرآنی نظام قائم کرنے کی اہل ہوگی) وہ تمہارے جیسی نہیں ہوگی۔ ظاہر ہے کہ اس سے یہ مراد نہیں کہ اُن انسانوں کی شکل و صورت تمہارے جیسی نہیں ہوگی۔ شکل و صورت کے اعتبار سے تو سب انسان کم و بیش ایک جیسے ہوتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اس قوم کے نظریات زندگی، نفسیہ حیات، مقاصد و مطالب، نصب العین، (ایک لفظ میں) ان کا ایمان اور اس ایمان پر متغیر، ان کی سیرت و کردار تمہارے جیسی نہیں ہوگی۔ ہماری حالت یہ ہے کہ ہزار برس سے ہم پر ذہنی جمود اور فکری تعطل طاری ہے۔ علم و بصیرت، غور و تدبر، فکر و شعور، تحقیق و تمیز، ہم پر سب حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ دنیا کہیں سے کہیں چلی گئی ہے اور ہم ٹھٹھکے ہوئے وہیں کے وہیں کھڑے ہیں۔ ہمارے ان سب سے بڑی خوبی اسے تصور کیا جاتا ہے کہ ہم اپنے اسلاف کے کس قدر مشابہ ہیں۔ ہمارے اسلاف کا یہ باطل اس ماحول میں مرتب ہوا تھا جو ملکیت کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ ہم ابھی تک اسی ماحول میں زندگی بسر کر رہے ہیں، اور اس پر غور کرتے ہیں۔

قرآن، آخرت (مستقبل) کو سامنے رکھنے کی تاکید کرتا ہے اور ہم ماضی کے دھندلوں میں کھوٹے رہتے ہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ : ”مَنْ اسْتَوَى يَوْمَ الْفَتْحِ مَضْبُونٌ“ جس کے دونوں ایک جیسے گزر گئے ، سمجھ لو کہ وہ تباہ ہو گیا۔ اور ہم ہیں کہ ہماری صدیاں ایک جیسی گزر چکی ہیں اور ہم مست ہیں۔ یہ زندگی انسانی سطح کی نہیں حیوانی سطح کی ہے۔ بکری آج بھی ویسی ہی ہے جیسے دس ہزار سال پہلے تھی۔ لیکن قرآن کی رو سے، انسان کی ہر نسل کو سابقہ نسل سے ایک قدم آگے ہونا چاہیے۔ اس طرح کہا جاسکے گا کہ ہماری موجودہ نسل، سابقہ نسل کے مثل نہیں۔

تشکیل پاکستان کے بعد میں نے سب سے پہلے یہ آواز بلند کی تھی کہ ہم، (سابقہ نسل کے افراد) جیسے کچھ بھی وہاں سے آئے ہیں، ان میں تبدیلی آنا مشکل ہے۔ ان کے ذمے اتنا فریضہ عائد کرو کہ یہ اس مملکت کی سرحدوں کو محفوظ رکھ سکیں۔ لیکن ہماری نئی نسل کی تعلیم و تربیت کا ایسا انتظام کرو کہ وہ ہماری مثل نہ ہو۔ ان کی ذہنیت ان کا تصور حیات۔ ان کا نصب العین زندگی۔ یعنی ان کا ایمان۔ قرآن کے قالب میں ڈھل کر ہم سے مختلف ہو۔ وہ ایسی قوم ہوگی جو (قرآن کے الفاظ میں) ”ثُمَّ لَا يَكُونُ لَهَا مَثَافُكُمْ“ کے معیار پر پوری اترے گی۔ وہ قرآنی نظام قائم کرنے کی اہل قرار پائے گی تو ہماری جگہ لے سکے گی۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو خدا کے اہل قانونی استبدال قومی کے مطابق ہیں مٹا دیا جائے گا اور ہماری جگہ کوئی ایسی قوم لے لے گی جو ہمارے جیسی نہیں ہوگی۔ میں تیس سال تک برابر یہی چیخا پکارتا رہا، لیکن میری کسی نے نہ سنی۔ بلکہ یوں کہیے کہ قرآنی نظام کے مخالفین نے ایسا انتظام کیا کہ میری یہ آواز کسی کے کان میں پڑنے نہ پائے۔ اور اگر پڑ جائے تو وہ اسے درخور اعتناء نہ سمجھے۔ وہ ڈرے کہ اس سے اس کا ایمان نہ خراب ہو جائے۔ تیس برس کا عرصہ گزر گیا اور ہم اپنے جیسی (بلکہ بعض گوشوں میں اپنے سے بھی بدتر) قوم پیدا کرتے چلے گئے۔ ان حالات میں یہاں قرآنی نظام قائم ہونے کا کیا امکان ہو سکتا ہے۔ ہم تو غیر مسلموں کے مقابلہ میں بھی قرآن سے زیادہ دور ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اگر اس خطہ زمین میں قرآنی نظام قائم نہ ہوا تو اس سے انتہائی صدمہ ہوگا۔ لیکن خدا کا قانون مکافات انسانی جذبات سے متاثر نہیں ہوتا۔ لَا يَخَافُ عُقْبَاهَا (۹۱)۔ اپنے قانون کو نافذ کرتے وقت خدا کا ماتھے کا نیا نہیں کرتا۔ اس نے اس خطہ زمین کو ہمیں مرحمت کرنے وقت واشگاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ : لَنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (۹۲) ہم دیکھیں گے کہ حصول مملکت کے بعد تم کس قسم کے کام کرتے ہو۔ اگر ہم خدا کی اس نعمت کبریٰ کے ناسپاس گزار ہو گئے تو وہ ہم سے اس نعمت کو چھین لے گا اور ہماری جگہ کوئی ایسی قوم لے لے گی جو اس کی اہل ہوگی۔ اقبالؒ کے سوز و گداز میں ڈوبے ہوئے الفاظ ہیں : ہ

زخمہ زانے اثر افتد اگر آسمان دارد ہزاراں زخمہ زور

ذکر حق از امتثال آمد غنی از زمان و از مکان آمد غنی

حق اگر اندر پیش ما برداردش

پیش توئے دیگرے بگزاردش !

متعین طور پر تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کونسی قوم ہے جس کے حصے میں یہ سعادت آئے گی لیکن اقدام مغرب کا اضطراب اس حقیقت کا غماز ہے کہ وہ حاضر و موجود سے تنگ آکر کسی نظام نکل تلاش میں ہیں۔ حاضر و موجود سے بیزار ہونا وہ کفر بالطاغوت (باطل سے بیزاری) ہے جسے قرآن نے ایمان باللہ کی منزلِ اولیٰ قرار دیا ہے۔ وہ قومیں اپنے اپنے فرسودہ مذاہب سے بہت پہلے سے بیزار ہو رہی ہیں۔ ان کے متعلق وہ اس نتیجہ پر پہنچ چکی ہیں کہ:-

یہ تمام مذاہب ٹوٹی ہوئی کشتیاں ہیں جنہیں حوادثِ زمانہ کے طوفانوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ساحل پر پھینک دیا۔ گیسب اپنے اپنے تقدس کی چادروں میں لپیٹے ہوئے ہیں۔ اطمینانِ خویش نے رجزِ حقیقت فریبِ نفس کا دوسرا نام ہے، ان کے متبعین کی آنکھوں میں دھول جھونک رکھی ہے۔ (جس کی وجہ سے انہیں حقیقت نظر ہی نہیں آسکتی) ان کے عقائد و نظریات کے زندگ سے ان کے انکار و اعمال کے قبضوں کو اس قدر جام کر دیا ہے کہ ان میں اب حرکت کی صلاحیت ہی نہیں رہی۔ یہ لوگ قدامت پرستوں کے کوڑوں سے اس قدر ڈر رہے ہیں کہ ان میں بہت کم ایسے ہیں جو سمجھ اور سوچ سے کام لینے کی جرأت کر سکیں۔

(PROF: HOCKING — LIVING RELIGIONS AND A WORLD FAITH)

انسانوں کے وضع کردہ مذہب کے بندھنوں سے آزاد ہونے کے بعد جس قسم کے نظام کا تصور ان کے ضمیر میں پلور بدل رہا ہے، اس کا اظہار وہ کچھ اس قسم کے الفاظ میں کرتے ہیں:-

(وہ نظام) انسان کی ارتقائی منازل کا ساتھ دے گا۔ اس کی سب بڑی خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ عالم گیر ہوگا اور منتشر انسانیت کو ایک وحدت میں منسلک کر دے گا۔ جو مشرق و مغرب کی تمام تعلیمات کا مہمیں ہوگا۔ وہ عقل و بصیرت پر مبنی ایسا قابلِ عمل ضابطہٴ حیات دے گا جو علوم سائنس سے ہم آہنگ ہو۔ وہ انسان کو اس قابل بنادے گا کہ وہ خارجی کائنات اور خود اپنی ذات کے ساتھ ہم آہنگ رہ سکے۔ اسی نظام کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ نوع انسان کا مذہب بن سکے۔

(ERICH FROMM — THE SANE SOCIETY)

ظاہر ہے کہ اس قسم کا نظام انہیں قرآنِ عظیم کے سوا کہیں نہیں مل سکتا۔ یہ حقیقت نشیدِ جانفزا ہے کہ اب وہاں کے اربابِ فکر و نظر نے اپنی توجہات کا رخ قرآن کی طرف مبذول کیا ہے۔ اس سے امید بندھتی ہے کہ وہاں کوئی ایسی قوم ابھرے جو ”لَا يَكُونُوا آمَنًا نَّكُرًا“ کے معیار پر پوری اترے۔ وہی قوم انسانیت کی نجات کی ضامن ہوگی۔

محبت کرنے والے کم نہ ہونگے تیری محفل میں لیکن ہم نہ ہوں گے